● ابرار احمد بیگ

حیدر آباد (پاکستان) کی علمی و ادبی فضا اور اقبالیات کے اوّلین نقوش

The literary atmosphere of Hyderabad (Pakistan) along with Iqbalyat and its origin

Allama Iqbal (9 November 1877 - 21 April 1938) is a great thinker, intellectual and philosophical poet of the twentieth century. His thoughts and philosophy have equally been beneficial for both the common people and intellectuals. Many nations have been enlightened with his universal message. As his thoughts and philosophy covered a vast domain, it also reached Hyderabad (Sindh) which inspired so many people of letters there also.

Before the independence of Pakistan and in the life time of Iqbal, a renowned man of letters, Mirza Qaleech Baig, translated Iqbal's poem 'Tarana-e-Mili' in Sindhi with the name 'Islami Tarano'. Much information on Iqbal's work is available in the books and magazines published, in both Urdu and Sindhi by educational government institutions and non- government organizations.

Iqbal day ceremony was held in 1938 at Government College Hyderabad. In this large gathering, Teachers, Scholars, Chief guests and Student paid tribute to Iqbal.

There seem an increase in the work done on Iqbal after creation of Pakistan. In 1949 the first Iqbal day was celebrated after creation of Pakistan. Huzoor Ahmed Saleem wrote an essay on Iqbal in 1951, Having been inspired in 1951 Qabil Ajmeri focused his "Shaheen" and wrote a poem on Iqbal for giving a tribute. In this way the writers emerge to write on Iqbal with the formation of many organizations. Societies and symposia. Through which various aspects of Iqbal's Philosophy were highlighted in Magazine's and books published from Hyderabad which have always thrown a reasibable light on Iqbal. They have played vital role in dissemination and frame of his philosophy. In this article

● لیکچرر اردو، گورنمنٹ کالج ٹنڈو آدم، ضلع سانگھڑ، سندھ۔ abrarbaig0707@gmail.com

the activities done through various platforms regarding Iqbal has been presented which prove that Hyderabad Sindh make vital role for promotion Iqbaliat.

In short Hyderabad has a reputation that its writers continued to focus on Iqbal's philosophy before and after the establishment of Pakistan. In this connection, various organizations, institutions and associations working on Iqbal have shown regular and uninterrupted services for the promotion of Iqbal's philosophy.

وقت کا دریا صدیوں سے رواں ہے۔ ہر آنے والے وقت میں گزرے ہوئے زمانے کے نقش و نگار موجود ہوتے ہیں۔ تاریخ خاموشی سے مگر موثر انداز میں سیاسی، سماجی، ثقافتی اور ادبی حالات پر اثر انداز ہوتی ہے۔ زمانے کی اس تاریخ کے تسلسل نے دریائے سندھ کے مشرقی کنارے پر شہر حیدر آباد کو دریافت کیا۔ حیدر آباد ابتدا ہی سے سیاسی، سماجی، ثقافتی اور علم و ادب کے حوالے سے اہمیت کا حامل رہا ہے۔ اس شہر کی علمی و ادبی فضا کو مہمیز دینے کے لیے ہر دور میں مختلف شخصیات نے اپنا کردار ادا کرتے ہوئے زبان و ادب کے لیے گراں قدر خدمات انجام دیں۔ اس آرٹیکل کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے حصے میں حیدر آباد کے تاریخی پس منظر سے بحث کرتے ہوئے قیام پاکستان سے قبل اور بعد حیدر آباد کے علمی و ادبی فضا پر بحث کی گئی ہے جب کہ دوسرے حصے میں حیدر آباد میں اقبال شناسی کے اولین نقوش کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس ضمن میں اقبال پر کیے گئے فکر و فن سے متعلق مکاتیب و کتب اور اقبالیاتی سر گرمیوں کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔

(ا)

حیدر آباد کا تاریخی پس منظر:

حیدر آباد، سندھ کا قدیم تاریخی شہر ہے۔ ماضی میں یہ ایک چھوٹی بستی کی شکل میں موجود تھا جو تاریخ کے مختلف ادوار میں مختلف ناموں سے پہچانا گیا۔ ''قبل مسیح سے ۶۳۵ء برس پیش تر حیدر آباد سندھ کو اُن دنوں بٹالہ کہا جاتا تھا۔'' [۱] تاریخی کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ چھٹی صدی عیسوی میں سندھ میں رائے خاندان کی حکومت تھی۔ اس دور میں سندھ کا شہر الور ''اروڑ'' سب سے بڑا نہایت ہی آراستہ و پیراستہ شہر تھا۔ اس شہر کا راجہ رائے سی ہرس تھا۔ وہ اپنی قلم رو کو چار صوبہ داریوں میں تقسیم کر کے انتظام و انصرام چلا رہا تھا۔ ان میں ایک صوبہ دار برہمن آباد میں رہتا تھا۔ مختلف قلعہ جات اس کی نگرانی میں تھے۔ جن میں ایک قلعہ نیرون کوٹ بھی شامل تھا۔ چھٹی صدی عیسوی میں یہ بٹالہ بندر کے بجائے قلعہ نیرون کوٹ کے نام سے جانا پہچانا جاتا

تھا۔ تاریخی کتابوں میں محمد بن قاسم کی فتح سندھ کی وقت یعنی آٹھویں صدی کے اوائل میں اس علاقے کو نیرون کوٹ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ سید سلمان ندوی لکھتے ہیں کہ :

> ''دیبل کی فتح کے بعد محمد بن قاسم نے آگے (نیرون کوٹ) بڑھنے کا ارادہ کیا۔ منجنیقیں اٹھا کر جہازوں پر سوار کی گئیں اور سندھو دریا کے معاون نالہ ''سانگڑا'' کے راستے سے روانہ کر دی گئیں اور خود بھی چھ دن تک برابر کوچ کرتا رہا۔ سیسم کی سڑک سے نیرون کوٹ کی طرف روانہ ہوا جو دیبل سے ۷۵ میل پر واقع تھا۔'' ۲

اس شہر میں اسلام کی آمد کا ذکر بھی محمد بن قاسم کی فتح سندھ سے وابستہ ہے۔ اس دور میں اہل نیرون کا حاکم بدھ مت مذہب کا پیروکار تھا۔ دیبل کی فتح کے بعد جب محمد بن قاسم نیرون کوٹ کے باہر خیمہ زن ہوا تو اس نے اپنی طرف سے اہل نیرون کوٹ کے پاس قاصد بھیجے۔ نیرون والے مسلمانوں کی اطاعت کر چکے تھے۔ اہل نیرون نے تحائف محمد بن قاسم کی خدمت میں پیش کیے اور اپنی وفاداری کا یقین دلایا۔ محمد بن قاسم نے نیرون کوٹ میں اسلام کا جھنڈا بلند کیا اور یہاں کے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ چچ نامہ میں اس واقعہ کا ذکر اس طرح ملتا ہے :

> ''دشمنی بے انداز تحفوں اور بے شمار نذرانوں کے ساتھ محمد بن قاسم کی خدمت میں حاضر ہوا اور رضامندی کا خلعت پہنا اور قلعہ کا دراوزہ کھول دیا اور محمد بن قاسم کی دعوت کی، یہاں تک کہ لشکر کو فراخیِ دل کے ساتھ غلّہ ملنے لگا۔ محمد بن قاسم نے قلعہ پر ایک گورنر مقرر کیا۔ مسجد تعمیر کرا کر مؤذن اور امام مقرر کر کے نماز قائم کی۔'' ۳

اس واقعے کے بعد نیرون کوٹ میں اسلامی دور کا آغاز ہو جاتا ہے ساتھ ہی اسلامی شریعت کو نافذ کرتے ہوئے باقاعدہ طور پر کوتوال بھی مقرر کیا گیا۔ سید سلیمان ندوی ''تاریخ سندھ'' میں اس کوتوال شہر کا نام ''ذہلی بصری'' ۴ بتاتے ہیں۔ اس طرح ۷۱۲ء میں محمد بن قاسم کی یہاں قائم عرب حکومت ۱۰۲۶ء تک رہی۔ سندھ میں اسلام کی آمد سے سیاسی، سماجی، تہذیبی، ثقافتی تبدیلیاں نظر آنے لگیں۔ اس دور میں علم وادب کو بھی فروغ حاصل ہوا۔ لوگوں کا رجحان شعر وشاعری، رزمیہ داستانوں اور موسیقی کی طرف بڑھنے لگا۔ زبان وادب کے اثرات بھی نظر آنے لگے۔ ڈاکٹر شاہدہ بیگم لکھتی ہیں کہ :

> ''عربوں کا اقتدار قائم ہونے پر حکومت کی زبان عربی ہو گئی جو سولہویں صدی عیسوی کے وسط تک باقی رہے پھر سندھ کا دہلی سے براہ راست رابطہ پیدا ہو جانے کے باعث فارسی نے عربی کی جگہ لے لی جو انگریزی دور تک باقی رہی۔'' ۵

بعض مشاہیر مذکورہ علاقے کو اردو کا مولد قرار دیتے ہیں :

> ''مسلمان سب سے پہلے سندھ میں پہنچے اس لیے قرین قیاس یہ ہے کہ جس کو ہم آج اردو کہتے ہیں اس کا ہیولیٰ اسی وادی سندھ میں تیار ہوا ہو گا۔ عربی وفارسی بولنے والے مسلمان تاجر، عراق، بندر ابلہ، سیراف اور بصرہ

سے نکل کر سندھ کے بندروں سے گزر کر گجرات ہو کر، بحر ہند کے کنارے سفر کرتے ہیں۔ پہلی صدی ہجری کے آخر یعنی ساتویں صدی عیسوی میں عرب مسلمانوں نے سندھ پر قبضہ کر لیا۔ یہ اسلامی لشکر کے لوگ فارسی اور عربی بولتے تھے۔ اس کے بعد جو سوداگر اور تاجر یہاں آ کر بود و باش اختیار کرنے لگے وہ بھی عربی اور فارسی بولتے ہیں جہاز رانوں کی زبان بھی عربی اور فارسی سے مرکب تھی خود سندھیوں کی آمد و رفت بھی عراق میں لگی رہتی تھی۔ جب ۱۳۳ھ میں خلافت کا مرکز شام سے عراق کو منتقل ہو گیا اور سندھ کے پنڈت بغداد جا کر اپنی زبان سے عربی میں کتابوں کے ترجمے میں مدد دینے لگے اور وہاں کے مختلف علمی اور طبّی منصوبوں پر سرفراز ہونے لگے۔ اس زمانے میں عربی میں ہندی کے بہت سے اصطلاحی لفظ اور دواؤں اور خوشبوؤں کے نام داخل ہوئے۔ اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہونا چاہیے تھا کہ سندھ اور ملتان میں دیسی بولیوں کے ساتھ عربی اور فارسی کا میل جول بڑھتا رہے اور ایک نئی مرکب بولی کا ہیولا تیار ہو۔'' ۶

جب کہ پیر حسام الدین راشدی کا کہنا ہے کہ:

''یاد رہے کہ اردو ہندو مسلمانوں کی وہ مشترک زبان ہے جو مسلمانوں کی ہندوستان میں آمد اور حکومت اور تمدنی روابط کی بدولت اس طرح وجود میں آئی کہ اسلامی زبانوں کے ہزارہا الفاظ ہند کی زبانوں میں شامل ہو گئے اور اہل ہند، ہندو ہوں یا مسلمان انھیں سمجھنے اور بولنے لگے۔ بے شبہ اردو کو اپنی موجودہ معیاری شکل اختیار کرنے میں بہت مدت صرف ہوئی اور مختلف مدارج و مراحل سے گزرنا پڑا لیکن اگر اس کے وجود میں آنے کا وہ سبب جو اوپر بیان ہوا، مسلم ہے تو یہ بھی مسلمہ حقیقت ہے کہ مسلمان سب سے پہلے سندھ میں آئے اور یہیں ان کی زبان عربی اور پھر فارسی کا ہندی زبانوں سے ارتباط و اختلاط شروع ہوا للذا یہ ایک واضح امر ہے کہ اردو کا اصل مولد سندھ ہے۔'' ۷

اس اختلاط لسانی سے جو فضا پیدا ہوئی اس سے ایک مخلوط ثقافت اور ایک کھچڑی زبان کی ابتدا ہو گئی تھی اور اس میں روز بروز ایک پختگی پیدا ہوتی جا رہی تھی۔ یہاں تک کہ اردو ایک زبان کی حیثیت سے وجود میں آ گئی۔ ڈاکٹر جمیل جالبی رقم طراز ہیں کہ:

''مسلمانوں کے اقتدار و حکمرانی کے زمانے میں ان کے کلچر، ان کی روایت اور ان کی زبانوں کا گہرا اثر پڑا۔ فارسی، ترکی اور عربی لغات اس زبان میں داخل ہو کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس میں جذب ہو گئے۔ گری پڑی زبان میں اظہار کی قوت تیز ہو گئی۔'' ۸

عربوں کی حکومت اس سرزمین پر تقریباً تین صدی رہی۔ اس طویل مدت میں سندھ پر عربی کے ساتھ ساتھ فارسی کے اثرات بھی پڑ چکے تھے۔ عربوں کے بعد جب پنجاب اور سندھ میں غزنوی پرچم لہرانے لگا تو اس زبان میں کئی نئے الفاظ و فقرات اس کے دامن کو وسیع کرنے لگے۔ عرب، سومرا، سمّہ، ارغون، ترخان، اور مغل ادوار میں وادی مہران میں اردو زبان کا سلسلہ شروع ہو کر مقبول ہو گیا تھا۔ ان ادوار میں سندھ کا مرکزی ہندوستان سے ایک مستقل رابطہ قائم ہو چکا تھا۔ جس سے زبان و

ثقافت پر اثرات مرتب ہوئے۔ عبدالستار خان وفا راشدی لکھتے ہیں کہ :

''جس زمانے میں ہند میں قطب شاہی ۹۸۸۔۱۰۲۰ھ کا طوطی بول رہا تھا۔ اس زمانے میں سندھ میں بھی اردو کے ایک باکمال سخنور موجود تھے۔ جس کا نام میر محمد بکھری تخلص ''فاضل'' تھا۔'' فاضل '' دربار اکبر اعظم کی ایک برگزیدہ شخصیت اور اعلیٰ منصب دار میر محمد معصوم بکھری (مصنف تاریخ معصومی) کے چھوٹے بھائی تھے۔'' ۹

سندھ میں اردو شاعروں کا یہ پہلا دور تھا۔ یہاں شعرا نے اس زبان میں دل چسپی لی۔ مغلوں کے دورِ حکومت میں سندھ میں اردو زبان پورے عروج پر تھی۔ ڈاکٹر نبی بخش بلوچ کے مطابق :

''اس زمانے میں سرکاری و دفتر زبان فارسی تھی سندھی مقامی زبان تھی لیکن اردو بھی عوام میں رواج پانے لگی۔ مدرسوں، مکتبوں بلکہ گھروں میں ابتدائی تعلیم عربی فارسی کے علاوہ اردو میں باقاعدہ رائج ہو چکی تھی۔'' ۱۰

مغلیہ دورِ حکومت میں سندھ میں اردو شاعری کے حوالے سے ڈاکٹر نبی بخش بلوچ لکھتے ہیں کہ :

''مغلیہ سلطنت کے دور میں اردو کے شعرا وقتاً فوقتاً سندھ میں آتے تھے اور مقامی شعرا اور ادبا کی ان سے ملاقاتیں ہوتی تھیں۔ ان ملاقاتوں کی وجہ سے فارسی شعرا نے اس نئی زبان کو بھی اپنا لیا تھا اور اس میں اشعار کہے۔'' ۱۱

سترہویں صدی کے اختتام سے قبل سندھ کے سیاسی افق پر کلہوڑو حکمران (۱۷۱۹ء۔۱۹۸۲ء) کی ایک مقامی طاقت ابھری جس سے نہ صرف سندھ کے سیاسی، ثقافتی منظر نامے میں تبدیلی آئی بلکہ نیرون کوٹ کی قسمت بھی جاگ اٹھی۔ ''تحفۃ الکرام'' میں اس کا ذکر اس طرح ملتا ہے کہ :

''نیرون ایک پرانا قلعہ ہے جو مدت سے مسمار پڑا ہوا تھا اور اس کی شہرت ایک چھوٹے گاؤں کی سی رہ گئی تھی ۱۷۶۸ء میں یہاں غلام شاہ کلہوڑو (وفات ۱۷۷۲ء) نے اس مقام کو خاص اپنی سکونت کے لیے پسند فرمایا اور ایک مضبوط قلعے اور شان دار شہر کی بنیاد رکھی۔ کھدائی کے موقع پر بعض لاشوں کے برآمد ہونے کے ساتھ ساتھ لوگوں کو بعض عجائبات بھی نظر آئے۔ نئے قلعے اور نئے شہر کا نام حیدر آباد تجویز ہوا۔'' ۱۲

تاریخ کتب میں اس شہر کے نام کے حوالے سے مختلف نظریات ملتے ہیں لیکن تاریخ کی اکثر کتابوں میں اس شہر کے بانی کا نام غلام شاہ کلہوڑو ہی ملتا ہے۔ ۱۳ کلہوڑوں کا دور حکومت حیدر آباد کے لیے سنہری دور ثابت ہوا۔ غلام شاہ کلہوڑو نے اس شہر کو اپنا پایہ تخت بنایا اور اسے بسانے میں اہم کردار ادا کیا۔ اس نے معروف کاریگروں اور مشہور ہنر مندوں کو حیدر آباد میں جمع کیا اور عوامی فلاح و بہبود کے بہت کام کیے۔ کلہوڑو خاندان کا دورِ حکومت علم و ادب کا بھی ایک سنہری دور تصور کیا جاتا ہے۔ کلہوڑو دور میں اردو شاعری کو بھی ترقی حاصل ہوئی۔ غلام شاہ کلہوڑو کے فرزند سرفراز کلہوڑو بھی اردو میں اشعار کہتے تھے ان کی علم دوستی کے حوالے سے

ڈاکٹر شاہدہ بیگم رقم طراز ہیں:

> ''میاں غلام شاہ، میاں محمد سرفراز شاہ وغیرہ سرپر آرائے حکومت ہوئے پھر میاں عبدالنبی کا دور ایا۔ ان سب نے کسی نہ کسی حد تک علم وادب کی سرپرستی کی بالخصوص میاں سرفراز اور عبدالنبی کا فیض اس سلسلے میں عام تھا۔''۱۴

کلہوڑو خاندان کے دورِ حکومت میں شعرا اور ادیب خوش حال زندگی بسر کرتے تھے۔ بعض شعرا کے وظیفے بھی مقرر تھے۔ اس دور میں اردو زبان وادب کے فروغ میں حصہ لینے والوں میں، میاں محمد سرفراز عباسی، محمد عظیم الدین، میر ضیاء الدین ضیاء شامل تھے۔ یہ دور اردو ادب کے حوالے سے ایک اہم دور تھا جس میں اردو کا دامن پھل پھول رہا تھا مقامی زبانوں کے ساتھ ساتھ اس زبان کی ترویج کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر شاہدہ بیگم اس دور سے متعلق اپنا تجزیہ پیش کرتے ہوئے لکھتی ہیں کہ:

> ''مغلوں کے سو سال اور کلہوڑوں کے دو سو برس میں اردو کے خال وخد ابھر کر سامنے آ گئے اور سندھ میں دکن اور دلی کے دوش بدوش متحدہ زبان کے شاعر پیدا ہوتے رہے یہ اور بات ہے کہ سندھ مرکزی ہندوستان سے دور دراز تھا۔ لہٰذا یہاں کے اردو شاعروں کو وہ شہرت حاصل نہ ہو سکی جس کے وہ مستحق تھے لیکن آج اگر عہد بہ عہد دکن ودلی کے اردو کلام کا سندھی شاعروں کے اردو کلام سے موازنہ کیا جائے تو سندھ کے شاعر کسی دوسرے مقام کے شاعروں سے کسی طرح پیچھے نہیں رہتے۔''۱۵

حیدر آباد پر کلہوڑو خاندان کے بعد تالپور حکمران (۱۷۸۲ء تا ۱۸۴۳ء) برسر اقتدار آ گئے۔ جنھوں نے حیدر آباد کو ترقی یافتہ شہر بنا دیا اور علم وادب کی روشنیوں سے نہ صرف حیدر آباد چمکنے لگا بلکہ سندھ کے دیگر علاقوں کے لوگ بھی مستفید ہونے لگے۔ تالپوروں کا دربار فارسی، اردو شعرا وادبا کی انجمن سے کم نہ تھا۔ جس میں میر محمد نصیر خان جعفری جیسے اہل کمال صاحب دیوان شاعر موجود تھے آپ ۱۲۱۹ھ میں حیدر آباد میں پیدا ہوئے۔ شعر وسخن کے بڑے قدردان تھے، فارسی کے ساتھ ساتھ اردو میں بھی سخن آزمائی کی۔ آپ کی فارسی تصانیف کے ساتھ ساتھ اردو کا ایک مختصر دیوان بہ عنوان ''دیوان جعفری'' بھی ملتا ہے۔ ڈاکٹر نبی بخش بلوچ ''سندھ میں اردو شاعری'' میں اس دیوان میں لکھتے ہیں کہ: ''اس دیوان میں ۱۲۲ اردو نظمیں، آٹھ اردو مخمّس، تین فارسی غزلیں اور دو فارسی مخمس شامل ہیں۔'' ۱۶ اس کے علاوہ تالپور دور کے اردو زبان وادب کے اہم شعرا وادبا میں خود تالپور حکمران بھی شامل تھے، جو خود شعر کہتے تھے۔

تالپور خاندان کے حکمرانوں میں عالم، صاحب تصنیف وتالیف اور شاعر بھی تھے۔ یہ اپنے دور کے علما وشعرا کی بڑی قدر کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ اس دور میں حیدر آباد کی علمی وادبی ماحول کو ترقی حاصل ہوئی۔ اس دور کے اہم اردو شعرا میں

میر مراد علی خاں، میر محمد نصیر خاں جعفری، میر حسین علی خاں تالپور، میرزا فتح علی بیگ فتح، سید غلام محمد شاہ گدا، میر محمد حسن علی خاں حسن، میرزا قاسم علی بیگ، میرزا مراد علی بیگ، میرزا دوست محمد دوست شامل ہیں۔ ۱۷

(۲)

قیام پاکستان سے قبل حیدر آباد کی علمی و ادبی فضا

حیدر آباد کو یہ شرف حاصل ہے کہ تقسیم ہند سے قبل ہی اسے ادبی مقبولیت حاصل ہو گئی تھی۔ ذیل میں اسی سلسلے میں مختصر جائزہ پیش کیا جا رہا ہے:

(الف) علمی ماحول:

گزشتہ صفحات میں حیدر آباد کے مختلف حکمران خاندانوں کا ذکر کیا گیا جنھوں نے اردو زبان و ادب کے فروغ کے لیے خدمات انجام دیں۔ اس شہر سے صاحبِ دیوان شاعر بھی گزرے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اُس دور کے مشہور شاعر دیوان صورت سنگھ صورت بہار کا دیوان حیدر آباد سے ۱۹۳۵ء میں شائع ہوا۔ ۱۸ انیسویں صدی کے آخر میں حیدر آباد کی اس علمی فضا میں شاعری کے علاوہ دیگر اصناف ادب کا کردار بھی شامل ہو جاتا ہے۔ مثلاً سندھ میں ڈراما نویسی کا آغاز ''وکٹوریہ تھیٹریکل کمپنی'' بمبئی کی وجہ سے ہوا۔ یہ کمپنی مختلف علاقوں میں ڈرامہ پیش کرتی تھی جس سے سندھ کے اس شہر میں بھی ڈرامہ نویسی کا ذوق پیدا ہوا۔ اردو زبان و ادب میں حیدر آباد سے پہلا ڈرامہ مرزا قلیچ بیگ نے ''خورشید'' ۱۸۷۸ء میں لکھا، اس کے بعد آپ کا دوسرا ڈرامہ ''لیل و نہار عرف تقدیر کا کھیل'' ۱۹۰۵ء میں منظر عام پر آیا۔ ۱۹ یہ دونوں ڈرامے مرزا قلیچ بیگ نے نثر میں لکھے ہیں۔ اس کے علاوہ آپ نے اردو زبان میں سودائے خامہ، ابکار الافکار، مخزن، القوافی المعروف تحفۃ الشعرا، خصائص القرآن کتابیں تصنیف کیں۔ یہ قلمی نسخے ان کی لائبریری میں موجود ہیں۔ ۲۰

اس کے علاوہ آپ کا ایک خطبہ بہ عنوان ''توبہ اور اس کی حقیقت'' کتابچہ کی صورت میں بھی ملتا ہے یہ خطبہ آپ نے ''تھیوسافیکل ہال'' کراچی میں ۱۳ ستمبر ۱۹۲۰ء کو دیا تھا۔ ۲۱ اسی دور میں ایک کتاب بہ عنوان ''آئینہ سکندر تذکرہ لال شہباز قلندر'' منظر عام پر آئی۔ یہ کتاب اس شہر کے مشہور حکیم فتح محمد سہوانی نے لکھی اور ۱۳۲۳ھ میں مطبع اردو اخبار لاہور سے شائع ہوئی۔ ۲۲ جس میں لال شہباز قلندر کی شخصیت کو موضوع تحریر بنایا گیا ہے۔ حیدر آباد میں اردو زبان میں ناول کی ابتدا کا سہرا سرور علی سرور کے سر جاتا ہے جنھوں نے ''انجام عالم'' ۲۳ لکھا۔ یہ ۱۹۳۵ء میں کراچی سے شائع ہوا۔ حیدر آباد کی علمی سرگرمیوں میں ایک حوالہ رسالہ ''سہارا'' کا بھی ملتا ہے۔ یہ رسالہ سیّد الطاف حسین بخاری نے جاری کیا تھا۔ ۲۴

''بابائے اردو مولوی عبدالحق نے غالباً ۱۹۴۴ء کے آخر میں حیدر آباد میں ترویج اردو کے لیے اردو مراکز قائم کیا تھا مگر عملہ کی بدعنوانیوں کی وجہ سے زیادہ کامیابی نہیں ہوئی اور جلد ہی اردو مرکز بند ہو گیا۔ مگر اردو کی ترویج کے لیے چند حضرات کوشاں رہے۔ یہاں تک کہ اے۔ ایچ بخاری صاحب نے ادبی رسالہ ''سہارا'' نکالا جس کی اپنے زمانے میں کافی شہرت تھی۔'' ۲۵

علاوہ ازیں قیام پاکستان سے پہلے اس شہر کے ادبا و فضلا نے اردو زبان میں مختلف موضوعات پر مضامین لکھ کر اس شہر کے نثری سرمائے میں اضافہ کیا۔ حیدر آباد سے تعلق رکھنے والے عبدالکریم سندھی کی ایک تصنیف ''فتنہ قادنیت'' کے حوالے سے بھی ملتی ہے۔ یہ کتاب حیدر آباد سے محبوب پریس سے شائع ہوئی۔ ۲۶ اسی طرح اردو زبان میں مرزا گل حسن کربلائی کے مضامین ملتے ہیں۔ آپ کے اکثر مضامین رسالہ ''سرفراز'' لکھنؤ میں شائع ہوئے اسی دور میں مرزا علی بخش کوثر کا ایک اردو میں مضمون بہ عنوان ''خون پاک کیبینک کربلا'' ملتا ہے یہ رسالہ ''شیعہ'' کراچی میں شائع ہوا۔ ۲۷

مذکورہ حقائق کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ قیامِ پاکستان سے قبل حیدر آباد میں اردو زبان وادب کے حوالے سے قابلِ ذکر کام نہ ہونے کے برابر ہیں۔ تاہم پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد اس شہر کے علمی وادبی ماحول میں خوش گوار تبدیلی نظر آتی ہے۔

ادبی ماحول:

تاریخ بتاتی ہے کہ یہ شہر ابتدا سے ادب کا گہوارہ تھا یہاں احسن نیرون کوٹی، ملا بہاء الدین۔ ملا محمد سیار نیرون کوٹی جیسے شعرا موجود تھے۔ ۲۸ کلہوڑوں اور میروں نے بھی اس شہر کے فروغِ علم وادب میں اہم کردار ادا کیا۔ ان کے ادوار میں یہاں صاحبِ دیوان شعرا بھی گزرے جن کا ذکر گزشتہ صفحات میں کیا جا چکا ہے۔ بیسویں صدی میں یہاں ادبی سرگرمیاں اپنے عروج پر نظر آنے لگیں۔ مشاعرے رؤسا، امرا کے گھروں اور محلات سے نکل کر چھوٹے چھوٹے اجتماعات کی صورت میں نظر آنے لگے۔ اسی کے ساتھ ساتھ ادبی تنظیموں کا قیام بھی عمل میں آنے لگا۔ جس کی بدولت نہ صرف مشاعرے بلکہ دیگر ادبی سرگرمیوں کو بھی عروج حاصل ہوا جن میں ادبی کانفرنسیں اور ڈرامے پیش پیش تھے۔ یہ ادبی محفلیں مختلف ادبی، سماجی اور سیاسی تنظیموں اور اداروں کی جانب سے منعقد کی جاتی تھیں ان محفلوں نے اس شہر کے ادبی ماحول کو گرما دیا۔ ڈاکٹر عبدالمجید سندھی حیدر آباد میں ادبی تنظیموں کی ابتدا اور مشاعروں کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

''سید فضل حسین شاہ (وفات ۱۹۱۹ء) کی کوششوں سے حیدر آباد میں بزم مشاعرہ قائم ہوئی۔ ان مشاعروں میں طنز و مزاح کا سلسلہ ہوتا تھا۔ یہ مشاعرے اس وقت حیدر آباد کے مختیار کار اور علامہ آئی آئی قاضی کے والد صاحب امام علی مرحوم کی رہائش گاہ پر بھی منعقد ہوتے تھے۔'' ۲۹

حیدر آباد میں اردو سندھی مشاعروں کا آغاز بیسویں صدی سے ہوتا ہے۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ آئی آئی قاضی نے اس شہر میں پوئٹری سوسائٹی بھی قائم کی تھی۔ ۳۰ جس کے تحت ادبی محفلوں کا انعقاد مختلف شہروں میں کیا جاتا تھا۔ ۱۹۱۷ء میں سندھ کے مختلف شہروں میں مسلم لیگ کا قیام عمل میں آیا۔ کانگریس اور مسلم لیگ اس دور میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی نمائندہ جماعتیں تھیں۔ ان سیاسی تحریکوں سے اردو ادب پر بھی بڑا اثر پڑا۔ ڈاکٹر شاہدہ بیگم رقم طراز ہیں:

> "مسلم طلبا اور بڑے بڑے مسلم زعما حیدر آباد، کراچی، سکھر اور سندھ کے مشہور شہروں میں پہنچے اور بڑے بڑے جلسے منعقد کیے۔ تو کون نہیں جانتا ان میں جتنی تقریریں ہوتی تھیں سب اردو میں ہوتی تھیں اور نظم پڑھنے والوں میں بہت سے مقامی لوگ ہوتے تھے جو اردو کو ہی اپنے اظہارِ خیال کا ذریعہ بناتے تھے۔" ۳۱

ان جلسوں میں اکثر مسلمان شاعروں کی شاعری پیش کی جاتی تھی جس کا مقصد مسلمانوں کی بیداری، وقار، عظمت اور علیحدہ ریاست کے جذبات کا فروغ تھا۔ جس کے لیے ادبی کانفرنسوں اور مشاعروں کا بھی انعقاد کیا جاتا تھا۔ نصیر مرزا لکھتے ہیں:

> "۱۶/ دسمبر ۱۹۲۴ء کو مسلمانانِ ہند کا نفرنس ہوم اسٹیڈ ہال حیدر آباد میں منعقد ہوئی سر رحمت اللہ صدر مجلس تھے اور صاحبزادہ آفتاب احمد صدر اردو ترقی کانفرنس بھی شریک محفل تھے۔ علاوہ ازیں میر ایوب خان بھی موجود تھے۔ میر صاحب اس موقع
> پر اردو سندھی مشاعرے کے صدر بنائے گئے۔ اردو سندھی کے کئی معروف شاعروں نے مشاعرے میں حصہ لیا۔" ۳۲

اسی سال ۱۹۲۴ء میں مرزا قلیچ بیگ کی صدارت میں ایک مشاعرہ منعقد ہوا۔ ڈاکٹر شاہدہ بیگم رقم طراز ہیں کہ:
"۱۹۲۴ء میں بمقام حیدر آباد ایک عظیم الشان مشاعرہ کیا گیا جس کا مصرعہ طرح تھا۔ "چشم موسیٰ کو بھی حسرت رہ گئی دیدار کی" اس مشاعرے میں سندھ کے شعرا نے بڑی تعداد میں طبع آزمائی کی۔ یہ مشاعرہ مرزا قلیچ بیگ کی صدارت میں منعقد ہوا۔" ۳۳

بیسویں صدی میں جس طرح حیدر آباد کی ادبی سرگرمیوں میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا اس کے ساتھ ہی مختلف ادب کی سرپرستی کرنے والے اداروں کا قیام بھی عمل میں آنے لگا اور "۱۹۳۱ء میں حیدر آباد سندھ مسلم ادبی کانفرنس سوسائٹی کا قیام عمل میں آیا۔ یہ ایک علمی و ادبی ادارہ تھا جس کے تحت مختلف کتابوں کی اشاعت، تعلیمی سرگرمیاں اور مختلف اوقات میں مشاعروں کی محفل کا انعقاد کیا جاتا تھا۔ ۳۴ اس کے نائب صدر ڈاکٹر شیخ خلیل ابراہیم تھے۔ اس تنظیم کے تحت حیدر آباد میں پہلا مشاعرہ ۱۹۳۸ء میں ہوا۔ حیدر آباد کی ادبی رونقوں میں مزید اضافہ انجمن ترقی اردو نے کیا۔ انجمن ترقی اردو کی شاخیں جہاں مختلف شہروں میں کھلنے لگیں وہاں حیدر آباد میں بھی ۱۹۴۲ء میں انجمن ترقی اردو کی شاخ کھل گئی۔ ڈاکٹر شاہدہ بیگم لکھتی ہیں کہ: "انجمن نے کراچی میں جو کچھ کیا تھا حیدر آباد میں اسی کا اعادہ کیا گیا۔ مشاعرے شروع ہو گئے۔ شاعر جمع ہونے لگے اور ہر طرف ایک ادبی ماحول نظر آنے

لگا۔''۳۵ حیدرآباد میں مشاعروں کے سلسلے میں ڈاکٹر محمد ابراہیم خلیل شیخ کا کردار بھی بہت اہمیت کا حامل رہا۔ آپ جمعیت شعرائے سندھ کے نائب صدر تھے اور مختلف جگہوں پر اس تنظیم کے تحت مشاعرے کرائے جاتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ حیدرآباد کے علمی مراکز جن میں اسکول، کالج، ایجوکیشن فارمین میں ہم نصابی سرگرمیاں، مشاعرہ، بیت بازی، تقاریری مقابلے عروج پر تھے۔ عبدالجبار ایم مغل کے مطابق:

> ''۱۹۳۱ء میں کالج میں ڈیبیٹنگ سوسائٹی کا قیام علم میں آیا جس کے تحت ہر ہفتے کے دن شام میں مشاعرہ، بیت بازی اور تعلیمی مسئلوں پر بحث و مباحثہ کیا جاتا تھا جس سے شاگردوں میں بولنے اور شعر کہنے کی چاہت بڑھتی تھی۔'' ۳۶

اسی طرح اس دور میں یہاں ڈرامیٹک کمپنیاں بھی قائم ہوئی ہیں جہاں مختلف ڈرامے پیش کیے جاتے تھے۔ عشرت علی خاں رقم طراز ہیں کہ:

> ''۱۹۲۴ء میں حیدرآباد نیشنل کالج ڈرامیٹک سوسائٹی کا قیام عمل میں آیا جس میں مرزا قلیچ بیگ کا ڈرامہ ''موہن''، جو کہ بمبئی مشہور ڈراماشریمیتی کا اردو ترجمہ ہے پیش کیا گیا۔''۳۷

تاریخ کی مختلف کتابوں میں اس شہر میں اس وقت قائم مختلف ڈرامیٹک سوسائٹیز کا پتا چلتا ہے۔ یہ شہر ثقافتی مرکز کے طور پر جانا جاتا تھا۔ اس دور میں اس شہر میں درج ذیل ڈرامیٹک سوسائیٹیاں قائم ہوئیں۔۳۸

ایمی چورس ڈرامیٹک سوسائٹی، ۱۹۱۴ء۔	نیشنل کالج ڈرامیٹک سوسائٹی، ۱۹۲۴ء۔
ینگ سٹیزن ڈرامیٹک سوسائٹی، ۱۹۲۰ء۔	حیدرآباد ناٹک منڈلی، ۱۹۳۲ء۔
سندھ سوشل لٹریری اور ڈرامیٹک کلب، ۱۹۳۱ء۔	ینگ مین ڈرامیٹک کلب، ۱۹۳۱ء۔

اس کے ساتھ ساتھ حیدرآباد میں اشاعتی اداروں کا قیام بھی عمل میں آچکا تھا جس سے اس شہر کے علم و ادب کے فروغ کی رفتار میں تیزی آئی۔ یہاں مختلف لائبریریوں کو بھی قائم کیا گیا۔ ان میں جیٹھ مل سندھی لائبریری، ۱۹۳۲ء، بزم خلیل لائبریری شامل ہیں۔ تاہم اب ان کا ذکر محض تاریخی کتب میں ملتا ہے۔

حیدرآباد میں علمی و ادبی سرگرمیاں بعد از قیام پاکستان

علمی سرگرمیاں:

حیدرآباد میں اردو نثر کا آغاز انیسویں صدی کے آخر سے ہوا اور بیسویں صدی کے آغاز سے کتب بھی تصنیف کی جانے لگیں۔ قیام پاکستان کے بعد ہندوستان سے آنے والی متعدد علمی شخصیات نے اسے اپنا مسکن بنایا اور مقامی اہل قلم کے ساتھ مل کر

فروغ علم میں اپنا کردار ادا کرتے ہوئے اس سلسلے کو آگے بڑھایا۔ یہاں ۱۹۴۷ء سے پہلے گورنمنٹ کالج حیدرآباد (۱۹۱۷ء)، گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن فارمین (۱۸۸۷ء) جیسے علمی ادارے موجود تھے۔ قیام پاکستان کے بعد مزید علمی وادبی ادارے قائم ہوئے جن میں سندھ یونیورسٹی (۱۹۵۱ء)، سندھی ادبی بورڈ، سندھی لینگویج اتھارٹی شامل ہیں۔ ان اداروں سے اس شہر کی علمی و ادبی فضا میں بہت تبدیلی آئی۔ سندھ یونیورسٹی کا قیام پچاس کی دہائی میں قیام عمل میں آیا۔ اس کے پہلے وائس چانسلر علامہ آئی آئی قاضی جیسی علمی شخصیت کو مقرر کیا گیا جنھوں نے اس یونیورسٹی کو دورِ جدید کے خطوط پر استوار کر کے علم وادب کا گہوارہ بنا دیا۔ یہاں مختلف شعبہ جات قائم کیے گئے جہاں سے علم کے پیاسوں کو سیراب کیا جانے لگا۔ جب یہاں شعبہ اردو قائم ہوا اور ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں جیسی شخصیت کا تقرر ہوا۔ تو اردو زبان وادب میں تحقیق و تنقید کے زریں دور کا آغاز ہوا۔ اردو ادب کی مختلف جہات پر علمی و تحقیقی کام ہونے لگے۔ اس طرح فروغ علم میں نہ صرف اردو بولنے والے بلکہ مقامی زبان کے اہل علم افراد نے بھی اپنا حصہ ڈالا۔ اردو نے لسانی تحقیق و تنقید اور تراجم میں وہ امور انجام دیے جس سے نہ صرف اس شہر کی علمی فضا کو خوب فروغ حاصل ہوا بلکہ اردو زبان کے علمی سرمائے میں بھی گراں قدر اضافہ ہوا۔ قیام پاکستان کے بعد اس شہر میں لسانی، ادبی، تحقیق و تنقید اور ملکی و غیر ملکی زبانوں سے اردو زبان وادب میں تراجم کا ایک طویل سلسلہ ملتا ہے جو ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں، ڈاکٹر نبی بخش بلوچ، ڈاکٹر محمد گرامی، لطف اللہ بدوی، ڈاکٹر الیاس عشقی، غلام نبی بخش قاضی، شیخ ایاز، پروفیسر حضور احمد سلیم، ڈاکٹر خان رشید، ڈاکٹر سخی احمد ہاشمی، ڈاکٹر حسرت کاس گنجوی، ڈاکٹر نجم الاسلام، پروفیسر رابعہ اقبال سے ہوتا ہوا ڈاکٹر جاوید اقبال تک پہنچتا ہے جو اپنے اساتذہ کی روایت کو بہ حسن وخوبی آگے بڑھا رہے ہیں۔ اگر قیام پاکستان کے بعد ادبی، لسانی، تحقیق و تنقید اور تراجم کے علمی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کاموں کی فہرست مرتب کی جائے تو یہ طویل شکل اختیار کر جائے گی۔ اس شہر کی علمی سرگرمیوں میں تحقیق و تنقید کے علاوہ افسانہ نگاری کو بھی بہت عروج حاصل ہوا۔ آزادی کے بعد قابل ذکر افسانہ نگاروں نے اپنی فنی صلاحیتوں، نت نئے تجربات اور منفرد موضوعات سے افسانے کو اہم مقام پر لا کھڑا کیا اور حیدرآباد کے علمی ماحول کو فروغ دیا۔ ان افسانہ نگاروں میں احسن فاروقی، حسرت کاس گنجوی، انوار احمد زئی، قدیر غوثی، کاظم رضا، حسن منظر، سعدیہ نسیم جیسی شخصیات شامل ہیں۔

افسانوی نثر کے بعد ریڈیائی ڈراموں نے بھی شہر حیدرآباد کی علمی فضا کو معطر بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ ریڈیو پاکستان حیدرآباد کا قیام (۱۷/ اگست ۱۹۵۵ء) کو عمل میں آیا اور ریڈیائی ڈراموں کا آغاز ہوا، اس شعبے کو بھرپور توجہ ملی جس سے بڑے بڑے نامور تخلیق کار جن میں ڈاکٹر الیاس عشقی، حمایت علی شاعر، مرزا عابد عباس، ڈاکٹر احسن فاروقی، پروفیسر انوار احمد زئی، سلطان جمیل نسیم جیسی شخصیات شامل ہیں۔ جن کے ریڈیائی ڈراموں نے یہاں کی علمی وادبی ماحول کو جلا بخشی۔ اس کے ساتھ ساتھ اس شہر سے دیگر اصناف ادب اور موضوعات پر بھی کتابیں سامنے آئیں۔ جن میں تفسیر قرآن بہ عنوان مطالب القرآن

از ڈاکٹر غلام مصطفی خاں قابل ذکر ہے۔ حمد و نعت کے مجموعے، نعت، مزاحیہ کلام، تاریخی ناول، نثری و منظوم تراجم، قواعد اشاریہ نویسی، انشائیے، بچوں اور خواتین کے رسائل و جرائد اور علمی و ادبی رسائل و جرائد شامل ہیں۔ درج بالا سر گرمیوں نے شہر حیدر آباد کی علمی و ادبی فضا میں نئی رمق اور توانائی پیدا کی اور اس کا شمار پاکستان کے علمی و ادبی شہروں میں ہونے لگا۔

ادبی سر گرمیاں:

قیام پاکستان کے بعد حیدر آباد کے ادبی ماحول میں ترقی نظر آتی ہے۔ اس دور میں ''ادب برائے زندگی'' کے نظریے کو فروغ حاصل ہوا۔ مختلف ثقافتی (ادارے)، ادبی تنظیموں، ادبی اجتماعات کا وہ دور شروع ہوا جس کا سلسلہ آج تک جاری و ساری ہے۔ ۱۹۴۸ء میں ''بزم خلیل'' قائم ہوئی جس کے روح و رواں ڈاکٹر شیخ خلیل ابراہیم تھے۔ اس بزم کے تحت اردو سندھی مشاعرے منعقد ہوا کرتے تھے۔ قیام پاکستان کے بعد اس شہر سے پہلا اردو ادبی ماہ نامہ ''انتخاب'' جولائی ۱۹۵۱ء میں زیب شیدائی اور احمد احسان کی نگرانی میں جاری ہوا۔[۳۹] جس میں افسانوی ادب کے علاوہ مختلف اصناف کے ساتھ ساتھ شعری ادب کا قابل مطالعہ لوازمہ بھی پڑھنے والوں کو ملا کرتا تھا۔

اگست ۱۹۵۵ء سے حیدر آباد کی فضاؤں میں ریڈیو پاکستان کی صداؤں نے مزید رنگ بھر دیا۔ اس ریڈیو اسٹیشن نے شہر کی ادبی فضا پر انمٹ نقوش ثبت کیے ہیں۔ چنانچہ آج بھی ریڈیو حیدر آباد سے مختلف پروگراموں کا سلسلہ پیش کیا جاتا ہے۔ جن میں موسیقی، ڈرامے، تقاریر، مذاکرے، مباحثے، بچوں، عورتوں اور طلبا و طالبات کے پروگرام شامل ہیں۔[۴۰]

پاکستان بننے کے بعد یہاں سے اردو کے مزید ادبی رسائل کا بھی اجرا ہوا۔ جن میں ''انتخاب''، ''شعور'' اور ''نئی قدریں'' شامل ہیں۔ پھر وقت کے ساتھ ساتھ ان میں مزید اضافہ ہوتا چلا گیا اور وقتاً فوقتاً شائع ہونے والے رسائل و جرائد کی بڑی تعداد نظر آنے لگی۔ جن میں ''گلستان لطیف''، ''فن کار''، ''فکر و فن''، ''فکر و عمل''، ''کاوش''، ''طالب علم ڈائجسٹ'' ماہ نامہ ''عشرت''، ماہ نامہ ''زاویے''، مجلہ ''حقیقت''، رسالہ ''آج''، سہ ماہی ''ابلاغ''، کتابی سلسلہ ''رسالہ''، سہ ماہی ''ذوقی''، سہ ماہی ''انشاء'' سہ ماہی ''عبارت'' جیسے رسائل و جرائد شامل ہیں۔[۴۱]

ان رسائل و جرائد میں اکثر کچھ وقت جاری رہے پھر بند ہو گئے لیکن رسالہ ''نئی قدریں'' جس کا پہلا شمارہ ستمبر ۱۹۵۶ء میں اختر انصاری اکبر آبادی کی ادارت میں منظر عام پر آیا۔ مسلسل اشاعت پذیر ہوتا رہا۔ ڈاکٹر الیاس عشقی کی سرپرستی اور شکیل احمد خان کی ادارت میں نکلنے والا رسالہ سہ ماہی ''لوحِ ادب'' حیدر آباد اور سہ ماہی ''انشاء'' کا شمار بھی نمایاں ادبی مجلوں میں ہوتا ہے۔ علمی و ادبی فضا میں خوش گوار ہلچل کے ساتھ حیدر آباد کی ادبی فضا کو جلا بخشنے والا سہ ماہی ''عبارت'' پروفیسر انوار احمد زئی کی

سرپرستی اور مسرور احمد زئی کی ادارت میں مسلسل اکتوبر ۱۹۹۵ء سے اشاعت پذیر ہے۔ بہ حیثیت مجموعی آج حیدرآباد کے ادبی ماحول کو دیکھیں تو ہمیں جابجا شاعر اور نثر نگار ملتے ہیں جو گلستانِ ادب کی آبیاری کر رہے ہیں۔

قیام پاکستان کے بعد حیدرآباد متعدد ادبی تنظیمیں قائم ہوئیں۔۴۲ قیام پاکستان کے بعد ''بزم خلیل'' قائم ہوئی اور اس کے بعد بزم وارثی، مرکز اردو ادب، بزم منصور، حلقہ ارباب شعور، حلقہ ارباب دانش، مرکز علم و ادب، انجمن آرزو، یادگار مشاعرہ کمیٹی، مکتبۂ آگہی، بزم رونق، بزم غزل، بزم عرفان وادب، مجلس یادگارِ غالب، بزم یادگار غالب، بزم فروغِ ادب، انجمن فانوسِ ادب، بزم شعر و ادب، بزم اسعد، بزم محسن کاکوری، مجلس ادب (مجلس یادگارِ غالب)، بزم تخلیق، بزم انجم، مجلس مصنفین، جلیسانِ ادب، دائرہ مصنفین، معارف رسالت ﷺ، شعاع ادب، قرطاس و قلم، وجدان، محفلِ ادب، ادراک جیسی ادبی بزموں کا قیام عمل میں آیا۔ ان تنظیموں کی وجہ سے حیدرآباد کے ادب میں نمایاں تبدیلیاں آئیں اب افسانوی، تنقیدی، مقالاتی نشستیں بھی منعقد ہونے لگیں۔ جس سے اردو ادب کی مختلف جہتوں کو فروغ حاصل ہو رہا ہے۔ شعبہ اُردو، سندھ یونیورسٹی جام شورو میں حیدآباد کی ادبی تنظیموں کی خدمات پر پروفیسر وثیق الرحمن نے ایم اے کا مقالہ تحریر کیا تھا جو اب کتابی صورت میں شائع ہو چکا ہے۔

قیام پاکستان سے قبل اور بعد بھی ایک بڑی تعداد میں مختلف اشاعتی ادارے اس شہر کے لیے فروغِ ادب میں اپنا حصہ ڈال رہے ہیں۔ قیام پاکستان کے بعد قائم کی گئیں ڈرامیٹک سوسائٹیز میں سندھ آرٹس ڈرامیٹک سوسائٹی،۱۹۷۹ء، جھولے لال ڈرامیٹک سوسائٹی ۱۹۸۰ء اور ٹریننگ کالج فار مین ڈرامیٹک سوسائٹی کی خدمات اہم ہیں اس کے علاوہ دیگر ثقافتی اداروں میں پربھات آرٹس سرکل ۱۹۷۰ء، سندھ پیپلز کلچر اینڈ آرٹس کونسل ۱۹۷۴ء، گلفام آرٹس سرکل ۱۹۷۴ء، سندھ آرٹس فورم ۱۹۷۹ء، آرٹس کلب ۱۹۷۹ء، مہران آرٹس کونسل، مہران آرٹس سرکل، اوپن ایئر تھیٹر، شاہ لطیف بھٹائی ثقافتی مرکز نے اپنے اپنے طور پر ادبی و ثقافتی سرگرمیوں کو فروغ دیا۔ اسی کے ساتھ ساتھ مختلف اشاعتی اداروں میں سندھ یونیورسٹی پبلی کیشنز، شاہ ولی اللہ اکیڈمی، انسٹی ٹیوٹ آف سندھیالوجی، سندھی ادبی بورڈ جیسے اشاعتی ادارے بھی اس شہر کے فروغ ادب میں اپنا کردار ادا کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

حیدرآباد میں اقبال شناسی کے اوّلین نقوش

قیام پاکستان سے قبل:

حیدرآباد میں علامہ اقبال کے کلام اور فکر کی بازگشت بیسویں صدی کے دوسرے عشرے سے ہی سنی جانے لگی تھی۔ یہ مسلمانوں کے سیاسی جدوجہد کا اہم دور تھا جس میں مسلمانانِ ہند اپنے حقوق اور علیحدہ وطن کے حصول کے لیے سرگرم تھے۔ پورے برصغیر میں جگہ جگہ جلسے منعقد ہوتے جہاں تقریریں اور جذبات آفریں نظموں سے مسلمانانِ ہند کو بیدار کیا جاتا۔ تحریک

پاکستان میں اقبال کے پیغام کو کلیدی حیثیت حاصل تھی۔ آپ کے کلام نے برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں میں ایک پُر جوش، طرز عمل پیدا کیا، انھیں تعمیری فکر عطا کی اور اُن کو گزشتہ دور عروج یاد دلا کر حال کو بہتر بنانے کا درس دیا۔ کلام اقبال کی موزونیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ سیاسی رہنما اپنی تقریروں میں کلام اقبال اور افکارِ اقبال کو وسیع طور پر استعمال کرتے تھے۔ اس اثر سے حیدر آباد کے اہل قلم اور دانش ور بھلا کیسے بے بہرہ رہ سکتے تھے۔ چنانچہ ان کی تحریروں میں بھی اقبال کے اثرات واضح طور پر دیکھے جانے لگے۔ ذیل میں قیام پاکستان سے قبل اقبالیات کے اوّلین نقوش کی فہرست اور ان کا تعارفی جائزہ سنین وار پیش کیا جا رہا ہے:

۱۔ اقبال کی نظم ''ترانہ ملی'' کا ترجمہ اور اقبال کے اشعار کی زمین میں کہے گئے اشعار۔ ۱۹۱۵ء۔

۲۔ حیدر آباد میں پہلا یوم اقبال ۱۹۳۸ء۔

۳۔ سندھ کے تعلیمی اداروں میں ''ترانۂ ہندی'' ۱۹۴۰ء۔

(۱)

حیدر آباد کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ اقبال کی زندگی میں ہی ان کے کلام کا سندھی ترجمہ منظر عام پر آیا۔ ۱۹۵۱ء میں مرزا قلیچ بیگ[۴۳] نے اقبال کے ''ترانہ ملی''[۴۴] کا سندھی زبان میں ''اسلامی ترانو'' کے عنوان سے ترجمہ کیا۔ یہ ترجمہ آپ کی کتاب ''چندن ہار'' میں شامل ہے اسی کے ساتھ ساتھ آپ نے اقبال کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے اپنا رہبر بھی قرار دیا۔

آپ اقبال سے اس قدر متاثر نظر آتے تھے کہ آپ نے اقبال کی زمین اور رنگ میں اردو شاعری بھی کی۔ شعر ملاحظہ ہو۔

تیرے عشق کو میں سدا چاہتا ہوں
محبت تیری جا بجا چاہتا ہوں [۴۵]

مرزا قلیچ بیگ کی طرح سندھ کے اکثر شعرا اقبال سے متاثر نظر آتے ہیں جن میں میر عبدالحسن سانگی[۴۰] جیسا نامور شاعر بھی شامل تھا۔

(۲)

حیدر آباد میں منعقد ہونے والی تقریب بتاریخ ۱۱/اگست ۱۹۳۸ء اس بات کی عکاس ہے کہ یہاں اقبال کی شخصیت سے شغف رکھنے والی شخصیات موجود تھیں۔ جنھوں نے اس شہر میں فکرِ اقبال کو فروغ دیا:

"حیدرآباد میں منعقد ہونے والا پہلا اقبال ڈے ڈی۔ جی نیشنل کالج حیدرآباد (جس کا موجودہ نام گورنمنٹ کالج یونیورسٹی حیدرآباد پھلیلی ہے) میں ۱۱/ اگست ۱۹۳۸ء کو منایا گیا۔ اس یوم اقبال کے موقع پر کالج میں ایک خصوصی تقریب کا بھی انعقاد کیا گیا جس میں معززین شہر، طلبا کی ایک کثیر تعداد نے شرکت کی اور اقبال کی شخصیت، سوانح حیات، شاعری اور افکار پر تقاریر پیش کی گئیں۔ اس محفل کی صدارت اس وقت کے اسپیکر سندھ اسمبلی سید میراں محمد شاہ نے کی تھی۔"[۴۶]

(۳)

کلام اقبال کا بنیادی نکتہ امید اور حوصلہ ہے۔ اقبال چاہتے ہیں کہ انسان مشکلات و مصائب سے مردانہ وار پنجہ آزما رہے۔ اقبال کی شاعری کا ایک خاصہ یہ بھی ہے کہ فرد کو عالمگیر اخوت اور جذبہ حب الوطنی سے بھی سرشار ہونا چاہیے۔ "ترانہ ہندی" کی اہمیت کے پیشِ نظر اسے حکومت سندھ کے زیر اہتمام اسکولوں میں صبح اسمبلی میں لازمی پڑھنے کے احکامات صادر کیے گئے۔ یہ مراسلہ نہ صرف گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن کے میگزین "اخبار تعلیم" میں شائع ہوا بلکہ کلام اقبال بھی طلبا کے لے شائع کیا جاتا تھا۔[۴۷]

علاوہ ازیں سندھ سرکار کے اس حکم نامے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اقبال کی شاعری زندہ اور متحرک الفاظ کی شاعری کی حیثیت رکھتی ہے جس میں ہمیں وہ تمام مضامین ملتے ہیں جن کے ذریعے دنیائے عالم میں اخوت، بھائی چارے اور امن و سلامتی کا پیغام عام کیا جا سکتا ہے۔ اور ہم ایک حقیقی مسلمان، ایک سچا حب الوطنی سے سرشار، ملت اسلامیہ کا فرزند اور دنیائے عالم میں امن و سلامتی کا پیغام دینے والے بن سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں اس ادارے میں اقبال ڈے کی تقریبات کے انعقاد کا بھی علم ہوتا ہے جس کی رپورٹ ہمیں ستمبر ۱۹۵۱ء کے تعلیمی مجلے میں بھی ملتی ہے۔

(ب) بعد از قیام پاکستان:

حیدرآباد (سندھ) میں تفہیمِ اقبال کا آغاز تو حیاتِ اقبال میں ہی ہو چکا تھا جب کہ قیام پاکستان کے بعد فروغ اقبالیات میں بہت زیادہ اضافہ ہوا۔ اور باہر سے آنے والے ادبا و شعرا نے اس شہر کو اپنا مسکن بناتے ہوئے مقامی علما و فضلا کے ساتھ اردو ادب اور فروغ اقبالیات میں اپنا کردار ادا کیا۔ پاکستان بننے کے بعد علامہ اقبال کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے انھیں "قومی شاعر" قرار دیا گیا آپ کے فلسفے و شاعری کی توضیح تشریح کی گئی جس سے اقبال فہمی میں اضافہ ہوا۔ حکومتی سطح پر ۱۹۴۸ء میں ملک بھر میں یوم اقبال منانے کا اعلان کیا گیا اور اس سلسلے میں پورے ملک کے بڑے چھوٹے شہروں میں تقریبات کا انعقاد کیا گیا۔

ذیل میں قیامِ پاکستان کے بعد اقبالیات کے اوّلین نقوش کی فہرست اور ان کا تعارفی جائزہ سنین وار پیش کیا جاتا ہے:

۱۔	تقریباتِ یومِ اقبال	۱۹۴۸ء
۲۔	اقبال کو پیش کیا جانے والا منظوم خراجِ تحسین اور اقبال کی شعری اصطلاح	۱۹۵۱ء
۳۔	تضمین بر کلامِ اقبال	۱۹۵۱ء
۴۔	اقبال کی شخصیت و فن پر مضامین	۱۹۵۳ء
۵۔	اقبال کے فکر و فن پر سندی مقالات	۱۹۵۶ء
۶۔	سے مے نار سلسلہ اقبال فہمی	۱۹۵۹ء
۷۔	اقبالیاتی ادب پر کتب	۱۹۶۲ء
۸۔	حکومتی سطح پر مشاعرہ بسلسلہ یومِ اقبال	۱۹۶۳ء
۹۔	غیر سرکاری تنظیم کے زیرِ اہتمام سہ روزہ تقریبات بسلسلہ یومِ اقبال	۱۹۶۹ء
۱۰۔	اقبال کے نام پر قائم ہونے والی پہلی ادبی تنظیم	۱۹۷۶ء

۱۔ تقریباتِ یومِ اقبال

۱۔ پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے کے بعد حکومت سندھ کی جانب سے یومِ اقبال کے موقع پر ۲۱/اپریل ۱۹۴۸ء کو عام تعطیل کا اعلان کیا گیا[۴۸] اور اس موقع پر سندھ کے دیگر شہروں کی طرح حیدرآباد میں تواتر سے یومِ اقبال کے پروگرامات ترتیب دیے جانے لگے۔ یہ پروگرام مختلف تعلیمی درس گاہوں، ادبی، سیاسی اور سماجی انجمنوں کی جانب سے منعقد کیے جاتے۔ حیدرآباد میں اقبال ڈے اپریل ۱۹۴۸ء کو منایا گیا جب کہ سماجی تنظیموں کا سطح پر پہلا اقبال ڈے ۲۱/اپریل ۱۹۴۹ء میں سندھ اسٹوڈینٹس فیڈریشن کے زیرِ اہتمام منایا گیا۔[۴۹]

۲۔ سندھ یونیورسٹی کا شمار ملک کی قدیم اور اعلیٰ ترین تعلیمی اداروں میں ہوتا ہے۔ سندھ یونیورسٹی میں پہلا یومِ اقبال علامہ آئی آئی قاضی کی سربراہی میں ۲۴/ اپریل ۱۹۵۲ء میں یونیورسٹی ہذہ کے سینٹ ہال میں منایا گیا۔[۵۰] علاوہ ازیں ادبی تنظیموں کی سطح پر پہلا یومِ اقبال حیدرآباد کی ادبی تنظیم ''مرکزِ ادب'' کی جانب سے ۱۹۵۶ء میں منایا گیا۔ جس میں وزیرِ سندھ قاضی محمد اکبر، آغا تاج محمد رجسٹرار سندھ یونیورسٹی اور ڈاکٹر ابراہیم خلیل شیخ جیسی شخصیات شامل تھیں۔[۵۱]

۲۔ اقبال کو پیش کیا جانے والا منظوم خراجِ تحسین اور اقبال کی شعری اصطلاح

اقبال بیسویں صدی ایک عظیم فلسفی اور شاعر تھے۔ اردو شاعری میں بہت سے شعرا نے آپ کے اثرات کو قبول کرتے ہوئے آپ کی پیروی بھی کی اور اس کے ساتھ ساتھ آپ کی خدمات کو سراہتے ہوئے منظوم خراج تحسین بھی پیش کیں۔ ان شعرا میں ایک نام قابل اجمیری[۵۲] کا بھی ہے۔

قابل اجمیری، علامہ اقبال سے فکری اور نظریاتی سطح پر بہت متاثر تھے۔ آپ اقبال کی شاعرانہ عظمت اور علمی و سیاسی مرتبے کے بھی قائل تھے۔ آپ نے علامہ اقبال کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے ایک نظم بہ عنوان ''اقبال''[۵۳] لکھی۔ نظم کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

''اقبال''

وہ دیدہ ور کہ جس نے تجلی نکھار دی — ذروں کو آفتاب درخشاں بنا گیا
وہ چارہ ساز جس نے کیے تجربات نو — ہر دور کو ضمانتِ درماں بنا گیا
وہ باغیاں جو اپنی نسیم خیال سے — شام چمن کو صبح بہاراں بنا گیا
وہ دلربا جس نے بدل دی سرشت دل — تکلیف کو نشاط کاساماں بنا گیا
وہ فلسفی جو اپنی خودی کی تلاش میں — ارباب دل کو محرم یزداں بنا گیا
وہ مرد حق پرست مٹا کر جو تفرقے — اسلامیوں کو صرف مسلماں بنا گیا
جب کارواں کی بانگ درا پر نظر نہیں — سب کچھ ہے اس کی قوم مسلماں مگر نہیں

اردو شاعری میں بہت سے شعرا نے اپنی شاعری میں مختلف اصطلاحیں استعمال کیں۔ ان کی یہ اصطلاحیں اپنے اندر ایک وسیع معنی و مفاہیم لیے ہوئے تھیں۔ ان شعرا میں اقبال بھی شامل ہیں۔ جنھوں نے اپنے کلام میں مختلف اصطلاحیں استعمال کیں ان میں ایک اصطلاح ''شاہین'' بھی ہے آپ کی یہ تشبیہ محض شاعرانہ نہیں ہے بلکہ یہ آپ کا شاہین ان خوبیوں کا حامل ہے جو اس کو دوسرے طائرِ دنیا سے ممتاز بناتا ہے یعنی شاہین خوددار ہوتا ہے۔ غیرت مند ہوتا ہے۔ علامہ اقبال، شاہین کی صفات سے متاثر تھے۔

قابل اجمیری نے اقبال کے شاہین کو موضوع بناتے ہوئے اقبال کے پیغام کو عام کیا۔ آپ کی نظم بہ عنوان ''شاہین''[۵۴] اس اعتبار سے قابل ذکر ہے ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

"شاہین"

تیرے مسلک میں نہیں سود و زیاں تقدیر
تیری پرواز سے ہے شام و سحر کی تعمیر
چاک ہے تیری تگ و ناز سے ہے دامان قضا
عقل پہنا نہ سکی تیرے جنوں کو زنجیر
خم ہے مغرور ہمالہ کی جبیں تیرے حضور
تیرے پنجے میں مہ و انجم و خورشید اسیر
رزق کی طمع تجھے لا نہیں سکتی نہ دام
رائیگاں جاتی ہیں صیاد کی سعی و تدبیر
فاش کر دے تو مسلمان پہ یہ فطرت کا راز
بھوک کی آگ بجھا سکتا ہے اوج پرواز

۳۔ تضمین بر کلامِ اقبال:

اقبال اور کلام اقبال پر حیدرآباد کے بہت سے ادبا و شعرا نے قلم اٹھایا۔ ۱۹۵۱ء میں ہی کلام اقبال پر ایک تضمین حضور احمد سلیم ۵۵ کی ملتی ہے۔ پروفیسر حضور احمد سلیم فارسی کے استاد تھے۔ مذکورہ تضمین آپ کی شاعری کے ابتدائی دور سے تعلق رکھتی ہے جس میں علامہ اقبال کے مصرعے "سبق شاہین بچوں کو دے رہے ہیں خاک بازی کا" ۵۶ کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ یہ تضمین رسالہ "پھلیلی" میں شائع ہوئی۔

سراپا نالہ ہے بیدار ہوں سوز و غم و تب سے
بتاؤں کیا تجھے، دل ہے سکون نا آشنا کب
مثال آئینہ حیرت فزا ہے چشم عبرت ہیں
رکھا ہے اس دیار علم و عرفاں میں قدم جب
دلوں میں جذبہ کامل نہ فکر دوری منزل
شکایت ہے مجھے یارب خداوندان مکتب سے

"سبق شاہین بچوں کو دے رہے ہیں خاک بازی کا" ۵۶

اس تضمین سے آپ کے قومی و ملی جذبات روشن ہوتے ہیں۔ حضور احمد سلیم نے اقبال کی سیرت، کلام اور فکر کا نہایت عمیق مطالعہ کیا تھا۔ درج بالا اشعار میں آپ کی اقبال سے گہری وابستگی ظاہر ہوتی ہے۔

۴۔ اقبال کی شخصیت و فن پر مضامین:

قیام پاکستان کے بعد اقبال کے فن و فکر پر متعدد مضامین لکھے گئے حیدرآباد سے اردو زبان میں اقبال پر پہلا مضمون ۱۹۵۳ء میں پروفیسر حضور سلیم احمد کا ایک مضمون بہ عنوان "ایران اور اقبال" ۵۷ منظر عام پر آیا۔ یہ ایک تحقیقی مضمون ہے جس میں آپ نے اقبال اور ایران کے تعلق کو صراحت کے ساتھ وضاحت کرتے ہوئے بتایا ہے کون نہیں جانتا کہ پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد اقبال کے مداحوں کی کوششوں اور کاوشوں سے آج ایران میں اقبال اپنی شاعری اور فلسفے کی بنیاد پر

خوب پہچانے جاتے ہیں۔اس مضمون میں مشاہیر ایران کے اقبال کے حوالے سے خیالات کو بھی پیش کیا گیا ہے۔اس کے بعد مختلف علما و فضلا، ادیب، محققین اور مدرسین کی جانب سے اقبال کی شخصیت اور فکر و فن پر مضامین لکھنے کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔

۵۔اقبال پر کیا جانے والا پہلا تحقیقی کام:

سندھ یونیورسٹی کا شعبہ اُردو ۱۹۵۳ء میں قائم ہوا۔ تعلیم و تحقیق کے دیگر میدانوں کی طرح اقبالیات کی تعلیم و تحقیق کے سلسلے میں شعبہ اردو میں شروع ہی سے دل چسپی لی گئی۔اس ادارے میں یوم اقبال کی تقریبات کا بھی ایک تسلسل ملتا ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر غلام مصطفی خاں ۵۸؎ کی کاوشوں اور دل چسپی کے باعث ایم اے کے نصاب میں اقبال کے مطالعے کو خصوصی اہمیت حاصل رہی ہے۔ جس سے طلبہ میں اقبال شناسی کو فروغ ملا۔اسی کے زیر اثر طلبا نے اقبال پر تحقیقی مقالے بھی لکھے۔شعبہ اُردو سندھ یونیورسٹی میں علامہ اقبال کی شخصیت و فن کو موضوع بناتے ہوئے ایم اے کے لیے پہلا مونو گراف رفعت علی خاں نے ڈاکٹر غلام مصطفی خاں کی زیر نگرانی مقالہ بہ عنوان ''اقبال بحیثیت شاعر مشرق'' ۱۹۵۶ء میں تحریر کیا۔اس مقالے میں رفعت علی خاں نے اقبال کے شاعرانہ تصورات، نظریات پیش کیے ہیں۔رفعت علی خاں رقم طراز ہیں کہ:

> ''شاعر مشرق سے مراد مشرق کے ایک نمائندہ شاعر سے ہے جو گزشتہ صدیوں سے اس سرزمین پر موت کا سا سکوت طاری ہونے کے بعد سرزمین مشرق میں پیدا ہوا اور جس نے اپنے مخصوص انداز فکر سے مشرق میں انقلاب عظیم پیدا کر دیا۔ یہ ہی نہیں بلکہ اس نے اقوام عالم خصوصاً مغربی طبقہ میں مشرقی قوموں کی بنیادی رویوں کو ایک نئے ڈھنگ سے مقابل کیا۔'' ۵۹؎

۶۔سے مے نار بسلسلہ اقبال فہمی:

مئی ۱۹۵۹ء میں اقبال اکیڈمی کی جانب سے ملک کے مختلف شہروں میں اقبال فہمی کے سے مے نار منعقد کرائے گئے۔۶۰؎ ان سے مے ناروں میں بیرون ملک سے ممتاز محققین و ناقدین کو مدعو کیا گیا۔ جن میں ڈاکٹر این میری شیمل جرمن اسکالر اور ڈاکٹر ظہیر الدین الاجامعی عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن بھی شامل تھے۔ان محققین کے کچھ لیکچرز حیدرآباد (سندھ) میں بھی ہوئے جس میں اقبال کی شخصیت اور فکر و فن کو موضوع بنایا گیا۔

۷۔اقبالیاتی ادب پر کتب:

حیدرآباد کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ یہاں سے اقبال پر نسبتاً کم مگر معیاری کتب شائع ہوئیں۔اس شہر سے فروغ اقبالیات میں درج ذیل پندرہ (۱۵) اہم کتب منظر عام پر آئیں:

نمبر شمار	کتاب کا نام	مصنف	ناشر	ماہ و سال
۱۔	''ترجمانِ بے خودی''	خورشید علی مہر تقوی جے پوری	آر۔ ایچ احمد برادرس، شاہی بازار، حیدر آباد۔	ستمبر ۱۹۶۲ء
۲۔	''رہبر ضربِ کلیم''	حکیم محمد علی خان منظر	اتفاق بک ڈپو، حیدر آباد۔	۱۱ / فروری ۱۹۷۴ء
۳۔	''اقبال اور قرآن''	ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں	ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور۔	نومبر ۱۹۷۷ء
۴۔	''انتخاب پیام مشرق''	پروفیسر حضور احمد سلیم	مشرق اقبال اکادمی پاکستان، لاہور۔	نومبر ۱۹۷۷ء
۵۔	''معارفِ اقبال''	ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں	آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس، کراچی۔	۱۹۷۸ء
۶۔	''جوئے شیر''	داؤد عسکر	رشید سنز، کراچی۔	۱۹۷۹ء
۷۔	''سر سید اور اقبال''	مبارک علی	آگہی پبلی کیشنز، حیدر آباد۔	۱۹۸۴ء
۸۔	''فکرِ اقبال کے چند پہلو''	پروفیسر ڈاکٹر سعدیہ نسیم	مکتبہ نئی قدریں حیدر آباد۔	۱۹۹۴ء
۹۔	''مطالعۂ اقبال''	ڈاکٹر حسرت کاس گنجوی	اردو اکیڈمی سندھ، کراچی۔	۱۹۹۷ء
۱۰۔	''اقبال کا فلسفۂ عشق اور اس کے اسرار و رموز''	محمد موسیٰ بھٹو	سندھ نیشنل اکیڈمی ٹرسٹ، حیدر آباد۔	۲۰۰۸ء
۱۱۔	''اقبال کا تصور فقر''	ڈاکٹر عبدالمقیت شاکر علیمی	بزم تخلیق ادب، پاکستان۔	۲۰۱۰ء
۱۲۔	''اوراق پریشاں'' (حصہ مطالعہ اقبال)	نعیم الرحمن جوہر	ادارہ انوار ادب، حیدر آباد۔	۲۰۱۲ء
۱۳۔	''اقبال کا شعری اسلوب''	ڈاکٹر رابعہ سرفراز	مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد۔	۲۰۱۲ء
۱۴۔	''اقبال اور حدیث''	ڈاکٹر عبدالمقیت شاکر علیمی	مکتبۂ علیمی، کراچی۔	۲۰۱۳ء
۱۵۔	''منتخبات اقبال''	محمد یوسف شیخ	پبلک اسکول، حیدر آباد۔	۲۰۱۴ء

پہلی تصنیف اقبال کا فارسی کلام ''مثنوی رموز بے خودی'' (۱۹۱۵ء) کا اردو منظوم ترجمہ ہے۔ اس کتاب کی اہمیت پر فاضل مصنف روشنی ڈالتے ہوئے کہتے ہیں کہ :

> ''اسرار خودی کے دو منظوم ترجمے بلیغ ہو چکے ہیں پہلے اس کا ترجمہ مولوی سید عبدالرشید صاحب نے کیا جو قبل ۱۹۴۷ء میں شائع ہوا۔ دوسرا ترجمہ جسٹس ایس اے رحمان نے کیا جو ۱۹۵۰ء میں شائع ہوا لیکن ''رموز بے خودی'' کا منظوم ترجمہ کرنے کی طرف کسی کا خیال نہیں ہوا۔ اتفاق سے قدرت نے یہ خیال میرے دل میں

پیدا کیا اور میں نے اپنے استاد المکرم مولانا عبدالحمید خاں کے مشورے سے ''رموز بے خودی'' کے منظوم ترجمے کا کام شروع کر دیا۔'' ۶۱

مہر تقوی جے پوری کا یہ ترجمہ ''رموزِ بے خودی''ہی کی بحر رمل مسدس میں ہے۔اس کتاب کے ترجمے میں وہ لطف نظر آتا ہے جیسا یہ فارسی زبان میں پیش کیا گیا ہے۔اس کتاب کے کچھ اشعار بطور نمونہ پیش کیے جاتے ہیں تا کہ ان کے ترجمے کی صلاحیت اور اہمیت کا اندازہ ہو۔

ایں شجر جنت نہ عالم پردہ است تلخی پیکار بار آوردہ است

ترجمہ: اس شجر نے ہم سے جنت چھین لی بار در تلخی ہوئی پیکار کی

مروی اندر جہاں افسانہ شُد آدمی از آدمی بیگانہ شُد

ترجمہ: آدمیت اک فسانہ ہو گئی ہو گئے غیر، آدمی سے آدمی ۶۲

علاوہ ازیں ترجمان خودی کے بعد حیدر آباد سے اقبالیاتی ادب کے تناظر میں مختلف کتب لکھی گئی جن میں ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خان کی کتاب اقبال اور قرآن ۶۳ کو امتیازی حیثیت حاصل ہے۔

۸۔ حکومتی سطح پر مشاعرہ بسلسلہ یوم اقبال:

قیام پاکستان کے بعد حیدر آباد میں پہلے موضوعاتی مشاعروں کا سلسلہ شروع ہوا خاص خاص موقعوں پر خصوصی مشاعروں کا اہتمام کیا جانے لگا۔ یہ مشاعرے زیادہ تر شخصیات کے حوالے سے کیے جاتے تھے ان شخصیات میں اقبال بھی شامل تھے۔ حکومتی سطح پر اپریل ۱۹۶۳ء میں پہلا باقاعدہ مشاعرہ ''یوم اقبال'' کے موقع پر منعقد کیا گیا۔ یہ مشاعرہ حیدر آباد کی تاریخ کا سب سے بڑا مشاعرہ تھا۔ اس مشاعرے کے لیے کمیٹیاں تشکیل دی گئیں۔ مشاعرہ کمیٹی کے چیئرمین ایس۔ ایم وسیم ڈپٹی کمشنر حیدر آباد مقرر ہوئے جناب عابد عباس سیکریٹری اور دیگر ارکان میں خلیل احمد ایس پی۔ سی آئی ڈی، ڈاکٹر امتیاز چیئرمین میونسپلٹی حیدر آباد، سجاد ریجنل ڈائریکٹر حیدر آباد، این۔ ایم قریشی منیجر نیشنل بینک وغیرہ شامل تھے۔ مشاعرے کی صدارت کے فرائض سید ہاشم رضا نے انجام دیے جب کہ بطور اسٹیج سیکریٹری، مرزا عابد عباس نے خدمات انجام دیں۔ اس مشاعرے میں نہ صرف مقامی بلکہ ملک بھر سے بڑے بڑے شعرا نے شرکت کی جس میں فیض احمد فیض، جمیل الدین عالی، احمد ندیم قاسمی، احمد فراز جیسے نام ور شعرا نے شرکت کی۔ اس مشاعرے کو یادگار بناتے ہوئے رسالہ ''نئی قدریں'' کی طرف سے جون ۱۹۶۳ء میں ''بیادِ اقبال'' اشاعتِ خاص کا اہتمام کیا گیا۔ اس رسالے کے مدیر اختر انصاری اکبر آبادی اس مشاعرے کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

''ہر سال اپریل میں پاکستان کے ہر شہر میں یوم اقبال کا غیر معمولی اہتمام کیا گیا لیکن ہمارے شہر میں کبھی کسی کو اس اہتمام کا خیال تک نہ آیا؟ مگر اس سال ایسا نہیں ہوا۔ ایس ایم وسیم صاحب ڈپٹی کمشنر کی غیر معمولی مساعی کی بدولت اس سال یہاں بھی اپریل میں یوم اقبال منایا گیا۔''[۶۴]

۹۔ غیر سرکاری تنظیم کے زیرِ اہتمام سہ روزہ تقریباتِ یوم اقبال:

مجلس ادب حیدرآباد (مجلسِ یادگارِ غالب) کی جانب سے ۱۹۶۹ء میں سہ روزہ تقریبات بسلسلہ یوم اقبال کا انعقاد کیا گیا جن میں محفل مذاکرہ، مباحثہ اور کل پاک وہند مشاعرہ شامل تھا جس میں پورے پاکستان کے علاوہ بھارت سے بھی شعرائے کرام تشریف لائے تھے۔ اس مشاعرے نے ثابت کر دیا کہ حیدرآباد میں کلام اقبال اور فکر اقبال کی مقبولیت کس درجے کی تھی۔

یہ تنظیم مرکز اردو ادب کے نام سے ۱۹۵۴ء میں قائم ہوئی۔ ۱۹۵۸ء میں تبدیل ہو کر مرکز ''علم و ادب'' ہوا۔ بعد میں ''مجلس یادگار غالب اور ۱۹۶۹ء میں مجلس ادب کے نام سے مشہور ہوئی۔

اختر انصاری اکبرآبادی اس تنظیم کے نام کی تبدیلی کے حوالے سے اپنی رائے پیش کرتے ہیں کہ:

''مجلس یادگار غالب کا نام مناسب مصلحت کے تحت بدل گیا ہے۔ اب یہ ادبی جماعت ''مجلس ادب'' کے نام سے کام کرے گی۔ مجلس کے نصب العین میں یہ بنیادی نکتہ بھی شامل ہے کہ سندھی زبان کے مشاہیر کو اردو دان طبقہ سے متعارف کرایا جائے۔''

اس تنظیم کے تحت تنقیدی نشستیں اور مشاعروں کا انعقاد وقتاً فوقتاً کیا جاتا تھا۔ بسلسلہ ''یاد اقبال'' سہ روزہ پروگرام جون ۱۹۶۹ء میں تشکیل دیے گئے۔ جس میں مباحثہ، مذاکرہ اور مشاعرہ جیسی سرگرمیاں شامل تھیں۔ ان کی تفصیل درج ہے۔

☆ پہلا پروگرام علامہ اقبال کی یاد میں محفل مباحثہ ۶/ جون ۱۹۶۹ء کی شب ۹ بجے میونسپل ہال حیدرآباد میں منعقد کیا گیا۔ جس کا عنوان تھا ''اقبال شاعر سے زیادہ فلسفی تھے'' اس محفل کی صدارت محمد مسعود احمد قریشی نے فرمائی۔ اس مباحثے میں حیدرآباد کے مختلف کالجوں کی ٹیموں نے شرکت کی۔ جس میں پہلا انعام سندھ کالج آف کامرس کے الیاس رضا نے حاصل کی۔ جب کہ دوسرا انعام جناح لاء کالج کے سرور بھوپال اور تیسرا انعام گورنمنٹ کالج حیدرآباد کے عبداللطیف کو دیا گیا۔

☆ یہ ایک تقریب تھی جو یوم اقبال کے سلسلے ''مذاکرہ'' کے تحت ۷/ جون ۱۹۶۹ء کی شام ۷ بجے میونسپل ہال حیدرآباد میں انعقاد پذیر ہوئی۔ یہ تقریب نام ور صحافی سید محمد تقی کی زیر صدارت منعقد ہوئی اس مذاکرے میں ملک کے معروف اہل قلم حضرات نے بطور خاص شرکت کی اور اپنی گراں قدر تخلیقات سے اس مذاکرے کو کام یاب بنانے میں پیش پیش رہے۔ یوم اقبال کے ان معاونین میں احمد ندیم قاسمی، پروفیسر ابوالخیر کشفی، پروفیسر عبداللہ جاوید، ڈاکٹر خان رشید اور انوار احمد زئی شامل تھے۔

☆ تیسری تقریب بسلسلہ ''یومِ اقبال'' کل پاکستان مشاعرے پر مشتمل تھی۔ یہ مشاعرہ ۷/ جون ۱۹۶۹ء کی شب گورنمنٹ ہائی اسکول حیدرآباد کے وسیع و عریض میدان میں منعقد کیا گیا۔ پاکستان کے سابق چیف جسٹس فضل اکبر نے افتتاحی تقریر فرمائی اور صدارت کے فرائض شیخ منظور الٰہی ممبر ریونیو بورڈ نے انجام دیے۔ مشاعرہ رات ساڑھے نو بجے شروع ہوا۔ اس مشاعرے میں پاکستان کے نامور شعرا نے شرکت کی۔

☆ یوم اقبال کے سلسلے میں اس مجلس کی جانب سے اقبال پر مضامین کا انعامی مقابلہ انعقاد پذیر ہوا۔ جس میں منصفین کے فرائض الیاس عشقی اور ڈاکٹر خان رشید نے انجام دیے۔ اس مقابلے میں پہلا انعام آصفہ حامد نے سو روپے اور دوسرا انعام آنسہ خواجہ بیگم مبلغ ۷۵ روپے نقد حاصل کیا۔ اس تنظیم کے تحت یوم اقبال کے علاوہ مختلف علمی و ادبی پروگرامات بھی مختلف وقتوں میں انعقاد پذیر ہوتے رہے۔

۱۰۔ اقبال کے نام پر قائم ہونے والی پہلی ادبی تنظیم:

حیدرآباد میں اقبال فہمی میں ایک بڑا کردار یہاں کی مختلف سماجی، ادبی تنظیموں کا بھی ہے۔ معلومات کے مطابق حیدرآباد کی ایک ادبی تنظیم ''مرکزِ ادب'' کی جانب سے ۱۹۵۶ء میں یوم اقبال منایا گیا اس کے بعد دیگر ادبی و سماجی تنظیموں نے اقبال شناسی کی روایت کو آگے بڑھانے میں مختلف جہتوں میں کوششیں کیں ہیں ان میں ایک ادبی تنظیم ''مجلس اقبال'' [۶۵] بھی شامل ہے۔ یہ حیدرآباد میں پہلی ادبی تنظیم تھی جو خاص طور پر ''اقبال'' کے نام پر قائم کی گئی۔ اس مجلس اقبال کے رُوحِ رواں پروفیسر اعجاز الحق ہیں۔ اس مجلس کے مقاصد میں ایک مقصد نوجوانوں کی فکر کو جلا بخشنا اور انھیں اقبال کے بتائے ہوئے راستے پر گامزن کرنا ہے تاکہ وہ صفاتِ شاہین کے مالک بن سکیں اور ان میں مردِ مومن کی جملہ خصوصیات پیدا ہو سکیں۔ اس مجلس کے تحت حیدرآباد کی سطح پر مختلف نوعیت کے پروگرام کیے جاتے تھے۔ جن میں اسکول اور کالجوں کے طلبہ و طالبات کے مابین معلوماتی، تقریری، مضمون نویسی، مباحثے، مذاکرے جیسے پروگراموں کا انعقاد کیا جاتا تھا۔ اس تنظیم کے زیرِ اہتمام ایک ادبی رسالہ ''جہانِ تازہ'' مجلس اقبال کی جانب سے شائع ہوا جس کے تین چار شمارے ہی منظرِ عام پر آ سکے ۔

رسالہ ''جہانِ تازہ''، حیدرآباد:

رسالہ ''جہانِ تازہ'' مجلس اقبال پاکستان حیدرآباد کی جانب سے ۱۹۸۴ء کو منظرِ عام پر آیا۔ جس کا مقصد نوجوانوں میں ایمان و یقین کی بجھتی ہوئی شمع کو فروزاں کرنا، تفرقہ بازی کے بجائے مسلمانوں کو ایک مرکز پر لانا، سائنسی علوم کی طرف متوجہ کرنا اور نوجوانوں کے لیے علامہ اقبال کے خصوصی افکار و نظریات کی ترویج و تشریح کرنا تھا۔ گو کہ اس کے گنتی کے ہی شمارے منظرِ عام پر آئے اور وہ سب کے سب دستیاب بھی نہیں، لیکن جو بھی رسالے دستیاب ہو سکے ان کے مندرجات سے بخوبی اندازہ

ہوتا ہے کہ یہ اپنے حقیقی مقاصد کی طرف رخ کیے ہوئے ہے۔ دیگر موضوعات کے علاوہ ''اقبال'' اس رسالے کا خصوصی موضوع رہا۔ ''جہان تازہ'' کے شماروں میں ایک بڑی مقدار میں ذخیرہ اقبالیات ملتا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس رسالے نے حیدر آباد میں فروغ اقبالیات میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس ذخیرے میں موجود حیدر آباد سے تعلق رکھنے والی شخصیات کی تحریریں درج ذیل ہیں۔

شمار	مضمون	مصنف	ماہ و سال
۱۔	یورپ کے فکری حربے اور اقبال	اعجاز الحق اعجاز	اگست ۱۹۸۴ء
۲۔	اقبال مشاہیر کی نظر میں	حکیم افضل خاں لودھی	ایضاً
۳۔	ایک گائے اور بکری (ترجمہ و تبصرہ)	مرزا طارق حسین طاری	ایضاً
۴۔	اقبال کے تہذیبی پہلو	ڈاکٹر احمر رفاعی	۱۹۸۶ء
۵۔	علامہ اقبال اور ہمہ گیر اسلامی تحریک	سید قوی احمد	ایضاً
۶۔	علامہ اقبال کے معاشی افکار	پروفیسر عمر بیگم حاذق علی	ایضاً
۷۔	اقبال اور نوجوان نسل	عبدالفرید چندریگر	ایضاً
۸۔	اقبال اور نوجوان نسل	محمد طارق محمود	ایضاً

تضمین و تراجم:

شمار	مضمون	مصنف	ماہ و سال
۹۔	بحضور اقبال (نظم)	محمد سعید اختر	اگست ۱۹۸۴ء
۱۰۔	محاورہ علم و عشق (مکالمہ) ترجمہ	حضور احمد سلیم	۱۹۸۶ء
۱۱۔	جمعیت الاقوام (ترجمہ)	ایضاً	ایضاً
۱۲۔	فلسفہ و سیاست (نظم) (ترجمہ)	ایضاً	ایضاً
۱۳۔	قطعات	ایضاً	ایضاً
۱۴۔	نقیب روشنی (نظم)	سید ارتضی عزمی	ایضاً
۱۵۔	تیری آواز خودی میں نغمہ ضرب کلیم (نظم)	برگ یوسفی	ایضاً
۱۶۔	قطعات اقبال	واجد سعیدی	ایضاً
۱۷۔	تضمین بر کلام اقبال	یوسف نارنولی	ایضاً
۱۸۔	اقبال اور ہم (نظم)	مقبول شارب	ایضاً

ماحصل:

حیدر آباد کی علمی و ادبی فضا اور اقبالیات کے اوّلین نقوش کے اس مختصر سے جائزے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ یہاں علم وادب کے فروغ میں حکومتی سطح کے علاوہ اہالیان حیدر آباد نے بھی اہم کردار ادا کیا۔ اعلیٰ حکام خود بھی صاحبان علم وذوق تھے اور اہل علم کی سرپرستی فرماتے تھے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد برصغیر میں انگریزوں کا دور شروع ہو جاتا ہے۔ جس سے برصغیر کے ادبی منظر نامے میں بھی تبدیلی آنا شروع ہو جاتی ہے۔ انگریزی ادب سے بھی اردو میں مختلف اصناف ادب منتقل ہونی شروع ہو جاتی ہیں۔ انیسویں صدی کے آخر میں برصغیر دوسرے علاقوں کی طرح حیدر آباد میں بھی شاعری کے علاوہ دیگر اصناف ادب پر اہل علم کا زور قلم چلنا شروع ہو جاتا ہے جس کے نتیجے میں اس شہر سے ڈرامے، ناول اور دیگر موضوعات پر کتب تصنیف ہونے لگیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ برصغیر پاک و ہند میں انگریز سے آزادی حاصل کرنے کے لیے جدوجہد آزادی کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ ان سیاسی حالات نے برصغیر کے دوسرے علاقوں کی طرح حیدر آباد کی علمی وادبی سرگرمیوں پر گہرا اثر ڈالا۔ شعرا کی شاعری کا رخ مینا و بلبل، کاخ و گلستان سے تبدیل ہو کر اصلاح معاشرہ اور قوم کی تعمیر و ترقی میں تبدیل ہو جاتا ہے ان شعرا میں سرفہرست علامہ اقبال نظر آتے ہیں۔ انھوں نے اپنی شاعری میں فکر و فلسفے کے وہ مضامین قلم بند کیے جس کے اثرات سے مسلمان جاگ اٹھے۔ اقبال کے ان افکار سے ایک عام فرد کے ساتھ ساتھ اہل علم بھی متاثر ہوئے اور ان اثرات کے زیر اثر حیدر آباد کے اہل قلم ان کے ترجمان بن کر اقبال ہی کی زندگی میں فکر اقبال کی ترویج کرنے لگے۔ حیدر آباد میں اقبال کی نظموں کے تراجم کا آغاز ۱۹۱۵ء میں ہو جاتا ہے جس کا سہرا مرزا قلیچ بیگ کے سر ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہاں کے اہل علم و ہنر نے اقبال کی شخصیت و فن پر سندھی، انگریزی زبانوں میں مضامین بھی تحریر کیے۔[۶۶] اقبال کی نظمیں شہر حیدر آباد کے درج ذیل رسائل اور تعلیمی مجلات میں شائع ہونے لگیں:

۱۔ سندھ یونیورسٹی، جام شورو۔
۲۔ گورنمنٹ کالج حیدر آباد
۳۔ گورنمنٹ غزالی پوسٹ گریجویٹ کالج لطیف آباد، حیدر آباد۔
۴۔ گورنمنٹ شاہ عبداللطیف گرلز ڈگری کالج، لطیف آباد، حیدر آباد۔
۵۔ خان بہادر محمد صدیق گورنمنٹ گرلز کالج حیدر آباد۔
۶۔ فیڈرل گورنمنٹ کالج، حیدر آباد
۷۔ گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن فار مین حیدر آباد۔

۸۔ پبلک اسکول حیدر آباد۔

۹۔ گورنمنٹ نور محمد ہائی اسکول حیدر آباد۔

۱۰۔ گورنمنٹ علامہ اقبال ہائی اسکول حیدر آباد۔

۱۱۔ گورنمنٹ الفاروق ہائی اسکول حیدر آباد۔

۱۲۔ گورنمنٹ جامع عربیہ ہائی اسکول حیدر آباد۔

اس جائزے سے یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ قیام پاکستان سے پہلے حیدر آباد میں اقبال شناسی کی فضا موجود تھی۔ ۱۹۴۷ء کے بعد اس شہر میں مختلف علمی، سماجی، ادبی، ثقافتی تنظیموں، اداروں کے قیام کا عمل شروع ہو گیا۔ جنھوں نے علمی و ادبی سر گرمیوں کو نہ صرف بام عروج بخشا بلکہ اقبالیات کے فروغ میں بھی اہم کردار ادا کیا۔ ریڈیو کے قیام سے اس شہر کی فضاؤں میں اقبال کے ترانے گونجنے لگے۔ سندھ یونیورسٹی کے قیام سے اقبال پر تحقیقی و تنقیدی کام شروع ہو گئے۔ ادبی سماجی تنظیمیں فروغ اقبالیات کے سلسلے میں یوم اقبال کا انعقاد کرنے لگیں۔ اقبال سے متاثر ہو کر نوجوانوں میں فکر اقبال پیدا کرنے کی سعی کے خاطر ''مجلس اقبال'' جیسی تنظیمیں بھی قائم ہونے لگیں۔ اہل قلم نے اقبال کی شخصیت و فن پر مقالات اور کتابیں لکھیں جو تعداد میں کم مگر معیار کے حوالے سے نہایت اہمیت کی حامل ہیں ان میں ڈاکٹر غلام مصطفٰی خاں کی کتاب ''اقبال اور قرآن'' قابل ذکر ہے جو کہ اپنے موضوع پر انتہائی وقیع انداز میں بھرپور تحقیقی کام ہے۔ جس میں مصنف نے کلام اقبال اور خطبات اقبال کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے وہ اشعار سامنے لائے ہیں جن میں مفاہیم و مطالب قرآنی موجود ہیں اس موضوع پر آج تک اس قدر مفصل تحقیقی کتاب منظر عام پر نہیں آئی ہے۔ یہ کتاب اقبالیاتی تنقید میں بے حد اہمیت کی حامل ہے۔ اس کتاب پر آپ کو صدارتی ایوارڈ سے بھی نوازا گیا۔ اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ حیدر آباد سندھ کی علمی و ادبی فضا میں اقبالیاتی ادب کا نمایاں مقام ہے۔

حواشی:

۱۔ مولانا عبدالحلیم شرر، ''تاریخ سندھ''، دلگداز پریس لکھنؤ، ۱۹۰۷ء، ص ۳۶۔

۲۔ سید سلیمان ندوی، ''تاریخ سندھ''، (جلد اوّل، دوم) دارالاشاعت، کراچی، ۱۹۹۵ء، ص ۴۹۔

۳۔ علی کوفی، ''فتح نامہ عرف چچ نامہ''، طبع سوم، محقق اور شارح ڈاکٹر نبی بخش بلوچ، مترجم: اختر رضوی، سندھی ادبی بورڈ، جام شورو، ۲۰۰۸ء، ص ۱۳۷۔

۴۔ ''تاریخ سندھ''، (جلد اوّل، دوم)، ص ۵۰۔

۵۔ ڈاکٹر شاہدہ بیگم، ''سندھ میں اردو''، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی، جون ۱۹۸۰ء، ص ۳۴۔

۶۔ سید سلیمان ندوی، ''نقوش سلیمانی''، معارف پریس اعظم گڑھ، ۱۹۳۹ء، ص ۳۱۔

۷۔ پیر حسام الدین راشدی، ''اردو زبان کا اصلی مولد سندھ''، مشمولہ سہ ماہی اردو، انجمن ترقی اردو، کراچی، اپریل ۱۹۵۱ء، ص ۹۔

۸۔ ڈاکٹر جمیل جالبی، ''تاریخ ادب اردو''، جلد ہشتم، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۲۰۱۳ء، ص ۳۔

۹۔ وفا راشدی (عبدالستار خان، ''اردو کی ترقی میں اولیائے سندھ کا حصہ''، پی ایچ ڈی مقالہ، شعبۂ اُردو، سندھ یونیورسٹی، جام شورو، ۱۹۸۰ء، ص ۳۰۔

۱۰۔ ایضاً، ص ۳۲۔

۱۱۔ ڈاکٹر نبی بخش بلوچ، ''سندھ میں اردو شاعری''، طبع سوم، مجلس ترقی ادب، لاہور، جون ۱۹۶۸ء، ص ۱۶۔

۱۲۔ میر قانع شیر علی، ''تحفۃ الکرام'' بہ تصحیح و حواشی، مخدوم امیر احمد و ڈاکٹر نبی بخش بلوچ، مترجم اختر رضوی، سندھی ادبی بورڈ، جام شورو، س ن، ص ۵۱۶۔

۱۳۔ (i) مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے: امپیریل گزیٹر آف انڈیا، مطبوعہ آکسفورڈ، ۱۹۰۸ء، ص ۱۳۰۔۳۱۳۔

(ii) میر قانع شیر علی کی کتاب ''مقالات الشعرا'' غلام شاہ کلہوڑو کے دورِ حکومت اور اس شہر کو آباد کرنے سے قریب ۸ سال پہلے لکھی۔ اس کتاب میں انھوں نے نیرون کوٹ کے رہنے والے شعرا کے نام اور ان شعرا کا کلام پیش کیا اور ان کے ناموں کے ساتھ نیرون کوٹی لکھا گیا ہے۔ اس سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ کلہوڑوں کی آمد سے پہلے یہ شہر نیرون کوٹ کے نام سے معروف تھا۔

۱۴۔ ڈاکٹر شاہدہ بیگم، ''سندھ میں اردو''، ص ۱۱۰۔

۱۵۔ ایضاً، ص ۴۶۔

۱۶۔ ڈاکٹر نبی بخش بلوچ، ''سندھ میں اردو شاعری''، ص ۱۱۲۔

۱۷۔ کلہوڑا اور تالپر دورِ حکومت کے شعرا کا کلام اور ان کے بارے میں مزید تفصیلات کے لیے درج ذیل کتب دیکھیے:
(۱) ''سندھ میں اردو شاعری'' از ڈاکٹر نبی بخش بلوچ، (۲) ''سندھ میں اردو'' از ڈاکٹر شاہدہ بیگم

۱۸۔ ایضاً۔

۱۹۔ ایس ایم منہاج الدین، ''سندھ کے اردو نثر نگار''، مقالہ برائے پی ایچ ڈی، شعبۂ اُردو، سندھ یونیورسٹی، جام شورو، ۱۹۷۳ء، ص ۹۶۔

۲۰۔ یہ معلومات مرزا نصیر بیگ (سابق ریجنل ڈائریکٹر، ریڈیو پاکستان حیدر آباد) سے ملی ہیں۔ آپ کا تعلق شمس العلماء مرزا قلیچ بیگ کے خاندان سے ہے اور آپ نے ایک کتاب بہ عنوان ''مرزا قلیچ بیگ: شخصیت اور فن''، لکھی جو اکادمی ادبیات پاکستان اسلام آباد سے ۲۰۰۶ء میں شائع ہوئی۔

نصیر مرزا، شمس العلماء مرزا قلیچ بیگ کی ہمشیرہ شرف النساء مرحومہ کے پوتے ہیں۔ دوسرا رشتہ یہ بھی ہے کہ مرزا قلیچ بیگ، نصیر مرزا کے والد ناصر علی بیگ کے سگے ماموں بھی تھے۔

۲۱۔ ''سندھ کے اردو نثر نگار''، ص ۹۹۔

۲۲۔ ایضاً، ص ۱۰۳۔

۲۳۔ ایضاً، ص ۲۱۸۔

۲۴۔ اس رسالے سے مختلف جگہوں پر ایس ایم منہاج الدین نے پی ایچ ڈی کے مقالے "سندھ اردو نثر نگار" میں حوالہ جات دیے ہیں۔

۲۵۔ ایس ایم منہاج الدین، "سندھ کے اردو نثر نگار"، مقالہ برائے پی ایچ ڈی، شعبہ اُردو، ص ۲۹۵۔

۲۶۔ ایضاً، ص ۱۷۶۔

۲۷۔ ایضاً، ص ۳۰۲۔

۲۸۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: "مقالات الشعرا"، از شیر قانع علی ٹھٹھوی، سندھی ادبی بورڈ، کراچی ۱۹۵۷ء، یہ کتاب فارسی میں تحریر کی گئی ہے۔

۲۹۔ ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی "کلام بشیر"، سندھی ادبی بورڈ، جام شورو، ۱۹۹۴ء، ص ۳۱۲۔

۳۰۔ ایاز قادری، "غزل جی اوسر" انسٹی ٹیوٹ آف سندھیالاجی، سندھ یونیورسٹی، جام شورو، ۱۹۸۲ء، ص ۳۳۔

۳۱۔ ڈاکٹر شاہدہ بیگم، "سندھ میں اردو"، ص ۱۸۴۔

۳۲۔ نصیر مرزا، "مرزا قلیچ بیگ: شخصیت اور فن"، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، ۲۰۰۶ء، ص ۳۸۔

۳۳۔ ڈاکٹر شاہدہ بیگم "سندھ میں اردو"، ص ۱۷۱۔

۳۴۔ ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی، "کلام بشیر"، ص ۳/۲۔

۳۵۔ ڈاکٹر شاہدہ بیگم، "سندھ میں اردو"، ص ۱۸۷۔

۳۶۔ عبدالجبار ایم۔ مغل، "ٹریننگ کالج فار مین حیدر آباد کا سندھی ادب میں حصہ"، مقالہ پی ایچ ڈی، سندھ یونیورسٹی، جام شورو، ۱۹۸۰ء، ص ۳۰۴۔

۳۷۔ عشرت علی خان، "حیدر آباد"، ادراک پبلی کیشنز، ۲۰۰۷ء، ص ۲۱۰۔

۳۸۔ قاضی نیاز، "حیدر آباد کے ثقافتی واشاعتی ادارے"، سہ ماہی "عبارت"، جولائی تا ستمبر ۲۰۰۳ء، ص ۱۵۵۔

۳۹۔ امین فاروقی، "سندھ میں اردو کی ادبی صحافت"، مقالہ برائے پی ایچ ڈی، شعبہ اُردو، سندھ یونیورسٹی، جام شورو، ۱۹۸۶ء، ص ۱۵۴۔
(یہ مقالہ ڈاکٹر نجم الاسلام کے زیر نگرانی مکمل ہوا۔ اس مقالے میں اس رسالے کا ذکر تفصیل کے ساتھ کیا گیا ہے۔) رسالہ "شعور" ۱۹۵۶ء، "نئی قدریں" ۱۹۵۶ء اس کے بعد حیدر آباد سے جاری ہوئے۔

۴۰۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: ریڈیو پاکستان حیدر آباد "داستانِ سفر" از محمود صدیقی مشمولہ سہ ماہی عبارت، حیدر آباد، جولائی تا ستمبر ۲۰۰۳ء، ص ۱۳۳۔

۴۱۔ دیکھیے: امین فاروقی "سندھ میں اردو ادبی صحافت"، مقالہ برائے پی ایچ ڈی۔

۴۲۔ دیکھیے: "حیدر آباد کی ادبی تنظیمیں" از وثیق الرحمن صابر، ایم۔اے مونو گراف، شعبہ اُردو، سندھ یونیورسٹی، جام شورو، ۱۹۸۳ء۔

۴۳۔ مرزا قلیچ بیگ ۱۸۵۳ء میں ٹنڈو ٹھوڑو حیدر آباد میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم حیدر آباد سے حاصل کی۔ مزید تعلیم کے لیے ایلفنسٹن کالج بمبئی چلے گئے۔ فارغ التحصیل ہو کر اپنے وطن واپس آئے۔ مختلف حیثیتوں سے پیشہ ورانہ خدمات انجام دیں۔ علم و ادب سے آپ کو خاص شغف تھا۔ تصنیف و تالیف کا سلسلہ تاحیات جاری رہا۔ آپ تین سو سے زائد کتابوں کے مصنف، مترجم اور مؤلف ہیں آپ کی علمی و ادبی

خدمات کے صلے میں حکومت برطانیہ نے انھیں ۱۹۲۴ء میں ''شمس العلماء'' کا خطاب دیا۔ آپ کا انتقال ۳/جولائی ۱۹۲۹ء کو ۷۷ سال کی عمر میں حیدرآباد میں ہوا۔ آپ کی تدفین مقامی قبرستان ''بلند شاہ قبرستان'' ٹنڈو ٹھوڑو حیدرآباد میں ہوئی۔

۴۴۔ علامہ اقبال نے ترانہ ملی ۱۹۱۰ء میں لکھا۔ مرزا قلیچ بیگ نے اس کا ترجمہ بہ عنوان ''اسلامی ترانو'' کیا اور اس کے آخر میں مقطع لکھا جس میں اقبال کو اپنا رہبر قرار دیا۔ یہ کتاب سندھی ادبی بورڈ، کراچی / حیدرآباد سندھ کی جانب سے ۱۹۵۹ء نومبر میں شائع کی گئی جس میں دیباچہ مرزا قلیچ بیگ کے فرزند اجمل بیگ کی جانب سے دیا گیا اور ساتھ اس کتاب میں دیباچہ جو مصنف مرزا قلیچ بیگ کی طرف سے ہے جس میں ۱۹۱۵ء نومبر کا سن اشاعت ہے، ص ۴۔

۴۵۔ اس نظم کا تعارف ڈاکٹر نبی بخش بلوچ نے کتاب ''سندھ میں اردو شاعری'' میں مرزا قلیچ بیگ کے باب پیش کیا ہے اور یہ نظم ان کی کتاب سودائے خام میں موجود ہے۔

۴۶۔ یہ معلومات انگریزی میں تھیں جسے اردو میں ترجمہ کیا گیا ہے۔ مزید تفصیلات کے لیے کالج ہذا مجلّے ''پھلیلی میگزین''، مطبوعہ اکتوبر ۱۹۳۸ء میں ملاحظہ فرمائیں۔

۴۷۔ ''دی سندھ اسکول میگزین''، اخبار تعلیم، گورنمنٹ کالج فارمین، حیدرآباد، اگست ۱۹۴۰ء، ص ا۔

۴۸۔ The Daily Gazette Karachi, 20 April 1948.

۴۹۔ Nadeem Shafiq Malik, "Allama Iqbal and English Dailies of, 1948, 1949", Pakistan Journal of History and Culture, Vol XXIII/I, 2002, National Institute of History and Culture Research Pakistan, Islamabad. Page No.92.

۵۰۔ The "Dawn" April 24, 1952.

۵۱۔ Nadeem Shafiq Malik " Allama Iqbal and English dailies of 1956" Pakistan Journal of History and Culture. Research Pakistan Islamabad.

۵۲۔ قابل اجمیری کا حقیقی نام عبدالرحیم تھا۔ آپ کی پیدائش ۲۷/اگست ۱۹۳۱ء کو قصبہ چرلی، اجمیر شریف (بھارت) میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم دارالعلوم معینیہ درگاہ اجمیر شریف سے حاصل کی۔ آپ کا مکان چونکہ درگاہ خواجہ اجمیر کے قریب ہی تھا، اس لیے آپ کو بچپن سے علمی وادبی سرگرمیاں میسر آئیں اور یہی وجہ ہے کہ آپ نے تیرہ چودہ سال کی عمر میں باقاعدہ شاعری شروع کردی تھی۔ غزل آپ کا خاص میدان رہا۔ آپ کی دنیاوی زندگی بہت مختصر رہی صرف اکتیس برس کی اس مختصر سی زندگی میں آپ نے بہت اعلیٰ شاعری کی۔ آپ کی شاعری کے مختلف مجموعے بھی شائع ہوئے۔ آپ کا انتقال ۳/اکتوبر ۱۹۶۲ء کو حیدرآباد میں ہوا۔

۵۳۔ اس نظم کی نشاندہی قابل اجمیری کے صاحب زادے ظفر قابل اجمیری نے فرمائی اور ساتھ ہی تمام معلومات فراہم کیں۔ علاوہ ازیں یہ نظم درج ذیل کتاب میں بھی شائع ہوئی۔

(ا) خالد مصطفی، ''منتخب کلام اقبال قابل اجمیری''، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، جولائی ۲۰۱۷ء، ص ۳۷۔

۵۴۔ قابل اجمیری، ''شاہین''، مشمولہ، رسالہ فاران، کراچی، مارچ ۱۹۵۱ء، ص ۶۱۔

۵۵۔ آپ کا نام حضور احمد اور سلیم تخلص کرتے تھے۔ آپ کی پیدائش ۱۹۲۴ء کو نارنول کے نزدیک ریلوے اسٹیشن کنڈ میں ہوئی۔ جہاں آپ کے والد عبدالشکور خان اسٹیشن ماسٹر تھے۔ ۱۹۴۸ء میں آپ حیدرآباد تشریف لے آئے۔ یہاں درس وتدریس کے شعبے سے وابستہ ہوئے اور ایم اے فارسی کی سند حاصل کی۔ مختلف کالجوں میں بہ حیثیت استاد خدمات انجام دیں۔ سندھ یونیورسٹی شعبہ فارسی کے استاد بھی رہے اسی علمی ادارے سے بہ حیثیت صدر شعبہ فارسی رِٹائر ہوئے۔ آپ نے بہت سی کتابیں لکھیں۔ فروغِ اقبالیات میں بھی آپ نے بڑا کردار ادا کیا۔ آپ کی مشہور کتابوں میں انتخاب پیام مشرق (مع اردو ترجمہ) بھی شامل ہے۔ آپ کا انتقال ۲۰۰۴ء میں حیدرآباد میں ہوا۔

۵۶۔ حضور احمد سلیم، مجلّہ ''پھلیلی''، گورنمنٹ کالج، حیدرآباد، مطبوعہ ۱۹۵۱ء۔

۵۷۔ حضور احمد سلیم، '' ایران اور اقبال'' مشمولہ، رسالہ ''ماہ نو''، کراچی، اپریل ۱۹۵۳ء، ص ۲۲۔

۵۸۔ دنیائے ادب اور تصوف کا ایک دمکتا ستارہ استاذ الاساتذہ ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں ۲۳/ستمبر ۱۹۱۲ء کو جبل پور (سی پی) بھارت میں پیدا ہوئے۔ میٹرک تک آپ نے جبل پور کے مختلف اسکولوں سے تعلیم حاصل کی۔ آپ نے مزید تعلیم علی گڑھ کالج سے حاصل کی۔ ۱۹۴۷ء میں ناگ پور یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ آپ کا سلسلہ تصنیف وتالیف زمانہ طالب علمی ہی سے شروع ہو چکا تھا۔ آپ نے اردو، فارسی اور تصوف پر بیش بہا کتابیں لکھیں آپ کی تصانیف کی تعداد ۹۰ کے قریب ہے آپ سندھ یونیورسٹی کے پہلے وائس چانسلر علامہ آئی آئی قاضی کی دعوت پر ۱۹۵۶ء میں حیدرآباد تشریف لائے اور بہ حیثیت صدر شعبہ اُردو خدمات سرانجام دینا شروع کیں۔ آپ نے اس شعبے میں بہت کارہائے نمایاں انجام دیے۔ آپ نے تصنیف وتالیف اور نصابی، ہم نصابی، علمی وادبی سرگرمیوں کا آغاز کیا۔ آپ کی نگرانی میں سیکڑوں طلبہ نے بی اے، ایم اے، ایم فل اور پی ایچ ڈی تک کی تعلیم حاصل کی۔ آپ کا فیضان آج بھی آپ کی روشن کی ہوئی شمعوں کے ذریعے جاری وساری ہے۔ آپ کا انتقال ۲۵/ستمبر ۲۰۰۵ء میں حیدرآباد میں ہوا آپ کا مزار اقدس المصطفےٰ ٹرسٹ حیدرآباد بائی پاس پر مرجع خلائق ہے۔

۵۹۔ رفعت علی خاں، ''اقبال بحیثیت شاعر مشرق''، ایم اے مونو گراف، سندھ یونیورسٹی، جام شورو ۱۹۵۶ء۔

۶۰۔ ''اقبال ریویو''، اکتوبر ۱۹۶۸ء، اقبال اکیڈمی پاکستان، لاہور، ۱۹۶۸ء، ص ۸۔

۶۱۔ میر تقوی جے پوری، ''ترجمان بے خودی''، ایچ آر پرنٹرز، حیدرآباد، ستمبر ۱۹۶۲ء، ص ۵۴۔

۶۲۔ ایضاً، ص ۷۴۔

۶۳۔ ڈاکٹر غلام مصطفی خاں، ''اقبال اور قرآن''، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۷۷ء۔

۶۴۔ رسالہ ''نئی قدریں''، اختر انصاری اکبرآبادی، جون ۱۹۶۲ء، ص ۳۔

۶۵۔ ۱۹۷۶ء میں حیدرآباد میں علامہ اقبال کے نام پر قائم کی گئی پہلی تنظیم تھی جو اقبال میموریل سوسائٹی کے نام سے پروفیسر اعجاز الحق اعجاز نے قائم کی تھی۔ پھر کچھ عرصے بعد ۱۹۸۰ء میں اس کا نام ''مجلس اقبال'' رکھ دیا گیا۔

۶۶۔ دیکھیے تعلیمی مجلات:

(۱) ''پھلیلی''، گورنمنٹ ڈی جی نیشنل کالج، حیدرآباد (موجودہ گورنمنٹ کالج (یونیورسٹی) حیدرآباد) ۱۹۳۲ء، ۱۹۳۸ء، ۱۹۴۰ء، ۱۹۴۲ء۔

(۲) ''اخبارِ تعلیم''، گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن فارمین حیدرآباد، ۱۹۴۲ء، ۱۹۴۵ء۔

فہرست اسنادِ محوّلہ:

۱۔ ''اقبال ریویو''، اکتوبر ۱۹۶۸ء، اقبال اکیڈمی پاکستان، لاہور۔

۲۔ بلوچ، نبی بخش، ڈاکٹر: ۱۹۶۸ء، ''سندھ میں اردو شاعری''، طبع سوم، مجلس ترقی ادب، لاہور۔

۳۔ بیگم، شاہدہ، ڈاکٹر: ۱۹۸۰ء، ''سندھ میں اردو''، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی۔

۴۔ ٹھٹھوی، شیر علی، قانع، میر: ۱۹۵۷ء، ''مقالات الشعرا''، سندھی ادبی بورڈ، کراچی۔

۵۔ جالبی، جمیل، ڈاکٹر: ۲۰۱۳ء، ''تاریخ ادب اردو''، جلد ہشتم، مجلس ترقی ادب، لاہور۔

۶۔ جے پوری، میر تقوی: ۱۹۶۲ء، ''ترجمان بے خودی''، ایچ آر پرنٹرز، حیدر آباد۔

۷۔ خالد مصطفی: ۲۰۱۷ء، ''منتخب کلام اقبال قابل اجمیری''، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد۔

۸۔ خاں، غلام مصطفی، ڈاکٹر: ۱۹۷۷ء، ''اقبال اور قرآن''، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور۔

۹۔ خان، علی، عشرت: ۲۰۰۷ء، ''حیدر آباد''، ادراک پبلی کیشنز۔

۱۰۔ سندھی، عبدالمجید، میمن، ڈاکٹر: ۱۹۹۴ء، ''کلام بشیر''، سندھی ادبی بورڈ، جام شورو۔

۱۱۔ شرر، عبدالحلیم، مولانا: ۱۹۷۰ء، ''تاریخ سندھ''، دلگداز پریس، لکھنؤ۔

۱۲۔ شیر علی، قانع، میر: س ن، ''تحفۃ الکرام''، بہ تصحیح و حواشی، مخدوم امیر احمد و ڈاکٹر نبی بخش بلوچ، مترجم اختر رضوی، سندھی ادبی بورڈ، جام شورو۔

۱۳۔ قادری، ایاز: ۱۹۸۲ء، ''غزل جی اوسر'' انسٹی ٹیوٹ آف سندھیالاجی، سندھ یونیورسٹی، جام شورو۔

۱۴۔ کوفی، علی: ۲۰۰۸ء، ''فتح نامہ عرف چچ نامہ''، طبع سوم، محقق اور شارح ڈاکٹر نبی بخش بلوچ، مترجم: اختر رضوی، سندھی ادبی بورڈ، جام شورو۔

۱۵۔ مرزا، نصیر: ۲۰۰۶ء، ''مرزا قلیچ بیگ: شخصیت اور فن''، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد۔

۱۶۔ ندوی، سلیمان، سید: ۱۹۹۵ء، ''تاریخ سندھ''، (جلد اوّل، دوم) دارالاشاعت، کراچی۔

۱۷۔ ندوی، سلیمان، سید: ۱۹۳۹ء، ''نقوش سلیمانی''، معارف پریس، اعظم گڑھ۔

۱۸۔ ـــــ۱۹۰۸ء، ''ایمپیریل گزیٹر آف انڈیا''، مطبوعہ آکسفورڈ۔

۱۹۔ Nadeem Shafiq Malik, "Allama Iqbal and English Dailies of, 1948, 1949", Pakistan Journal of History and Culture, Vol XXIII/I, 2002, National Institute of History and Culture Research Pakistan, Islamabad. Page No.92.

۲۰۔ Nadeem Shafiq Malik " Allama Iqbal and English dailies of 1956" Pakistan Journal of History and Culture. Research Pakistan Islamabad.

ایم اے مقالات:

۱۔ وثیق الرحمن: ۱۹۸۳ء، ''حیدر آباد کی ادبی تنظیمیں''، شعبۂ اردو، سندھ یونیورسٹی، جام شورو۔

۲۔ خاں، علی، رفعت: ۱۹۵۶ء، ''اقبال بحیثیت شاعر مشرق''، سندھ یونیورسٹی، جام شورو۔

پی ایچ ڈی مقالات:

۱۔ فاروقی، امین: ۱۹۸۶ء، ''سندھ میں اردو کی ادبی صحافت''، شعبہ اُردو، سندھ یونیورسٹی، جام شورو۔

۲۔ مغل، ایم، عبدالجبار ۱۹۸۰ء، ''ٹریننگ کالج فار مین حیدر آباد کا سندھی ادب میں حصہ''، سندھ یونیورسٹی، جام شورو۔

۳۔ منہاج الدین، ایس ایم: ۱۹۷۳ء، '' سندھ کے اردو نثر نگار'' شعبہ اُردو، سندھ یونیورسٹی، جام شورو۔

۴۔ وفا راشدی، عبدالستار خان: ۱۹۸۰ء، ''اردو کی ترقی میں اولیائے سندھ کا حصہ''، شعبہ اُردو، سندھ یونیورسٹی، جام شورو۔

رسائل:

۱۔ ''اخبارِ تعلیم''، گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن فار مین حیدر آباد، اگست ۱۹۴۰ء، ۱۹۴۲ء، ۱۹۴۵ء۔

۲۔ ''اُردو'' ، انجمن ترقی اُردو، کراچی، اپریل ۱۹۵۱ء۔

۳۔ '' پھلیلی''، گورنمنٹ ڈی جی نیشنل کالج، حیدر آباد (موجودہ گورنمنٹ کالج (یونیورسٹی) حیدر آباد) ۱۹۳۲ء، ۱۹۳۸ء، ۱۹۴۰ء، ۱۹۴۲ء، ۱۹۵۱ء۔

۴۔ ''عبارت''، حیدر آباد، جولائی تا ستمبر ۲۰۰۳ء۔

۵۔ ''فاران'' ، کراچی، مارچ ۱۹۵۱ء۔

۶۔ '' ماہ نو''، کراچی، اپریل ۱۹۵۳ء

۷۔ ''نئی قدریں'' ، حیدر آباد، جون ۱۹۶۲ء۔

۸۔ The Daily Gazette Karachi, 20 April 1948

۹۔ The "Dawn" April 24, 1952